غبارِ شبنم

شعر گیشاؤں کی سرزمیں کے

(جملہ حقوق بحقِ مترجم محفوظ)

طابع ـــــ کامل القادری
مطبع ـــــ تنویر پروسیس، کراچی
اشاعت اول ـــ اپریل ۱۹۷۸ء
قیمت ـــــ ۴۰ روپے

مقام اشاعت

خالد اکادمی

۲۱ - بہادر شاہ مارکٹ - کراچی

غبارِ شبنم

(منتخب نمایندہ جاپانی شاعری)

عبدالعزیز خالد

خالد اکادمی

۲۱ - بہادر شاہ مارکیٹ ۔ کراچی

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 035745
MAILSI

انتساب

انگیں آواز عذراؤں کے نام

سیفو

891.431
غ ۱۹ ع

کتاب خانہ سردار جھنڈیر
میلسی (پاکستان)
نمبر شمار : ....
کتاب نمبر : ....

فہرس

عہدِ قدیم

خواتین ہائیکو نگار

"جاپانی پھولوں کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ ہر موسم کے پھولوں کا انتظار کرتے ہیں اور جب اپریل کے شروع میں ایک یا دو ہفتوں کے لیے چیری یا گیلاس کے درختوں پر شگوفے پھوٹتے ہیں، تو یُوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سارے کے سارے جاپان نے اِن پھولوں کو دیکھنے کے لیے سب کام چھوڑ دیا ہے "

گُلِ داؤدی کی صرف ایک جھلک دیکھنے کے لیے کوسوں کا سفر کرنے والے، طلوعِ ماہ کے انتظار میں آدھی رات تک جاگنے والے "جس قدر سائنٹفک تہذیب اور سائنس کے پروانے، اسی قدر فنونِ لطیفہ کے دلدادہ، مادیت اور دُنیاوی لذت کے خواہاں، اس کے باوجود سکون پرست اور تصوّف پسند۔ مشرقی تہذیب کے علم بردار اور مغربیت میں ڈوبے ہوئے۔

امن اور سکون کے ساتھ گھنٹوں چائے پیتے ہیں اور سُورج کو آہستہ آہستہ غروب ہوتے دیکھ کر لُطف اندوز ہوتے ہیں "

"شاعری کے بیج انسان کے دل میں ہوتے ہیں - انسانی مشغلے رنگا رنگ ہیں - آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اور کان جو کچھ سنتے ہیں - دل کے لطیف تاروں کو چھوتا ہے اور بالآخر آہنگ میں ڈھل جاتا ہے -

جب نوشگفتہ غنچوں میں بلبل غزل خواں ہوتی ہے اور مینڈک پانی میں ٹرّاتے ہیں : تو یوں لگتا ہے جیسے ہر زندہ چیز نغمے کی تخلیق پر قادر ہے -

شاعری بیک جنبشِ قلم فرش و فلک کو ہلا سکتی ہے (ع بیا کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم) لاہوت کے ازل تاب ایوانوں پر دستک دے کر انہیں کھلوا سکتی ہے

عورت اور مرد کے دلوں کو ایک دوسرے کی طرف مائل کرتی ہے، انہیں گرماتی ہے، برماتی ہے اور ایک تند خو جنگجو کی روح کو تھپکتی ہے، سہلاتی ہے، نرماتی ہے -

جب شاعر بہار کی ایک صبح بکھرے ہوئے شگوفوں کو دیکھتا ہے اور خزاں کی ایک شام گرتے ہوئے پتوں کی سرسراہٹ سنتا ہے - اوس میں بھیگی گھاس اور جھاگ اڑاتی لہریں اسے زندگی کی بے ثباتی اور گریز پائی کی جھلک دکھاتی ہیں - تو ایکا ایکی ایک پہاڑی چشمے کی طرح اس کی زبان سے نغمے پھوٹ نکلتے ہیں"

——— کی - تسورا یُوکی

(۸۸۴ ——— ۹۴۶)

(کوکینشو KOKINSHU ——— قدیم و جدید نظموں کے دشاہی) مجموعے کا مرتب و مقدمہ نگار)

شہنشاہ اوجین

EMPEROR OJIN

(۲۷۰ سے ۳۱۲ تک تخت نشین رہا)

وہ لڑکی جسے میں نے دیکھا
اور اِس طرح چاہا
وہ لڑکی جسے میں نے دیکھا
اور اُس طرح چاہا
ہے دعوت میں حاضر یہاں
اور بیٹھی ہے پہلو میں میرے

مرے سامنے!

شہنشاہ یُوریاکُو
EMPEROR YURYAKU

(۴۱۸ — ۴۷۹)

(تخت نشینی کی مُدت ۴۵۷ سے ۴۷۹ تک)

ہمراہ اپنے ٹوکرے کے ، ٹوکرے کے ساتھ
ہمراہ اپنے بیلچے کے، بیلچے کے ساتھ
اک لڑکی اس پہاڑ پہ چُنتی ہے بُوٹیاں
پوچھوں گا اُس سے اس کے میں گھر بار کا نشان
اُس سے کہوں گا : نام تو اپنا بتائیے[ھ] !

ہمپایۂ فلک ہے یماٹو کی سرزمیں
زیرِ نگیں ہے میرے، میں اس کا ہوں حکمراں
نام و نشاں میں اپنا بتاؤں گا اُس طرح !

ھ ایک عورت کا اپنا نام بتانا شادی کے لیے اپنی رضامندی دینا تھا

شہزادہ کیناشی نو کارُو PRINCE KINASHI NO KARU

(پانچویں صدی)

(اپنی ہمشیرہ سے معاشقے کی وجہ سے جلا وطن ہُوا۔ بعد میں دونوں نے اکٹھے خودکشی کر لی۔ نظم کا موضوع یہی عشقِ محرم° ہے)

بوئے پہاڑی دھان ہم نے
پہن و فراخ پربتوں پر
اتنے بُلند تھے وہ پربت
زینہ بہ زینہ لے گئے ہم
پانی کی نالیاں زمیں سے

وہ میری خواہرِ دلآرا
چُھپ کر کیا ہے فتح جس کو
چُھپواں وہ نالیاں ہوں جیسے
زوجہ غمِ نہاں سے آنسو
جس کے لئے بہائے میں نے
اور آج لیٹے واقعی ہم
پیوست جلدیں تن بدن کی

° اختلاط بالمحرم

بانسوں کی گھاس پر برابر
کرتی ہے شور ژالہ باری
جب شور تھم گیا میں سویا
کرنے دو سازشیں تم ان کو
چھٹّی ہے ان کو پخت و پز کی

ہم محوِ خواب ہو چکیں جب
یعنی میں اور میری دلبر
یعنی میں اور میری خواہر
آئے جو بھی قیامت آئے
کچھ بھی ہو چاہے بعد اس کے
تب پھیلے خلفشار جتنا
جتنا فساد بھی ہو برپا
ہاں — اِجس گھڑی کہ سو چکیں ہم!

شہنشاہ تیمّوُ
EMPEROR TEMMU

ایک چمکیلے بنفشے کی طرح حُسنِ سراپا
اے دلارا! پیارہ میرے دل میں گر ہوتا نہ تیرا
کس لئے کرتا میں تیرے دل کی ملکیّت کا دعویٰ
باوجود اس کے کہ اس پر حق نہیں ہے کوئی میرا!

O

HITOMARO

ہیتومارو

(۶۵۵ — ۷۱۰)

(۱)

چٹانوں پہ اگتا ہے بحری صنوبر گھنیرا
پرے راسِ کارا سے بحرِ اوامی میں
پودے سمندر کے پتھریلے ساحل سے چمٹیں
سمندر کے لہراتے پودوں کی صورت
جھکی اور بے اختیارانہ وہ مجھ سے لپٹی
مری زوجہ ، محبوبہ میری
وشال اور گہرے سمندر کا جیسے صنوبر
بعینہ محبّت ہے اس کے لیے میری گھمبیر، گہری
پہ کم ایسی راتیں ہیں جن میں
کہ ہم دونوں سوئے اکٹھے
مزے ہمکناری کے لُوٹے
جُدا رینگتی عشق بیچاں ہو جیسے
پڑا ہم میں جونہی بجوگ
اس کا سوچوں میں جب بھی اُٹھے درد دل میں

مگر دیکھتا ہوں جو مڑ کر تو کوہِ وطارِی کے
برگِ خزاں دیدہ پرّاں، پرافشاں ہوا میں
ہلاتی ہے وہ اپنے دامن کو میرے لئے جو
کریں اس کو میری نگاہوں سے اوجھل
قمر جس طرح ابر کے چاک سے جھانکے بالائے کوہِ یکامی
پھر اس کو چھپا لے گھٹا ایک دم سے
چھپی میری بیوی
میں اندوہگیں ہوں!
ہے سورج افق کے قریب اور میں
ایک مردِ کلفت و توانا (مجھے زعم یہ تھا)
بھگوتا ہوں اشکوں سے اپنی دبیز آستینیں
سمندِ درخشان و مشکیں مرا دوڑے سرپٹ
گھٹا جس قدر دور، اتنا ہی میں
دار و دستہ سے دور آ چکا ہوں!

اے زرد پتّو!
جو ڈھا پنپنے ہو
کوہِ خزاں کو
کچھ دیر اپنے

گرنے کو روکو
میں تاکہ اک پل
کرلوں نظارہ
جاناں کا اپنی!
(خزاں کے پہاڑوں پہ گرتے ہُوئے زرد پتّو!
کوئی دم اپنی قلابازیاں روک لو
اک نظر تاکہ میں
اپنی دلبر کا گھر دیکھ لُوں!)

(۲)

کارو میں میری بیوی رہائش پذیر تھی
جی بھر کے اس کے ساتھ رہوں تھی یہ آرزو
دل چاہتا کہ متّصل اس سے ملوں مگر
آنکھیں بہت سے دیکھنے والوں کی روکتیں
ملتا اگر میں اس سے زیادہ و جلد جلد
کھلتا نہ کیوں زمانے پہ عہدِ وفا کا حال؟
احوالِ عشق اس لئے پوشیدہ ہی رہا
اس طرح اپنے دل میں اسے چاہتا رہا
جیسے گھرا ہُوا ہو چٹانوں سے کوئی تال

اس وقت کے خیال سے رہتا تھا شاد کام
جب ہم علانیہ ملیں گے سب کے سامنے
لب پر بچن بلاس کے آئیں گے بے جھجک
رکھتا تھا مطمئن مجھے یوُنہی یہ اعتماد
کوئی بڑے جہاز پہ جیسے سفر کرے
ناگاہ ایک نائی نے آکر سنائونی
دی مجھ سیاہ بخت کو اُس کی وفات کی
پت جھڑ کے پیلے پتّے سماں وہ چلی گئی
مرتا ہے جیسے ڈوبتے سورج کے ساتھ دن
وہ جو کہ روشنی تھی مرے دل کی مرگئی
ہو جس طرح کہ ماہِ مُبیں بادلوں میں گمُ
گمُ ہوگئی وہ ماہ جبیں بھی اسی طرح
واحسرتا کہ اب وہ نہیں جس کی رُوح تھی
میری طرف خمیدہ سمندر کی گھاس سی
اس سانحے کی مجھ کو ملی تھی جب اطلاع
آتا نہ تھا سمجھ میں کروں کیا میں کیا کہوں ؟
لیکن فقط خبر ہی یہ بیتاب و مضطرب
اس وہم میں کہ غم کو ہو شاید مرے شفا
پوُری طرح نہیں نہ سہی شمہ بھر بھی ہو

تو بھی میں کامیاب ہی سمجھوں گا اپنے کو
کارڈ میں جا کے ہاٹ میں میں نے کیا تلاش
عادی تھی میری بیوی جہاں جانے کی مگر
ہو کر کھڑا وہاں سُنا لوگوں کو بولتے
آواز اُس کی پر نہ پڑی میرے کان میں

گاتے تھے گو پرندے اُنیبی پہاڑ پر
کوئی نہ تھا مگر مری بیوی کی شکل کا
نام اس کا پھر پکار کے دامن ہلا دیا!

خزاں کے پہاڑوں پہ ہیں رستہ رستہ
دبیز اس قدر زرد پتّے کہ آہ!
اپنی پیاری کو ڈھونڈوں گا میں کس طرح
جو بھٹک کر کہیں کھو گئی ہے
مجھے تو پہاڑوں کے رستے بھی آتے نہیں!

زرد پتّوں کو گرتے ہوئے دیکھ کر
یُوں لگے جس طرح نامہ بر آگیا
مجھ کو اچھّی طرح یاد ہے

ایسے ہی دن ملا کرتے تھے ہم
میں اور میری بیوی !

(۳)

مری بیوی تھی جن ایّام میں زندہ
تو ہم دونوں قریبی بند پر جاتے
دیئے ہاتھوں میں ہاتھ اپنے
وہاں پر ایستادہ نارون کے
پیڑوں کا نظارہ کرنے
دُور تک پھیلی ہُوئی وہ اُن کی شاخیں
برگ ہائے موسمِ گُل سے لدی مثلِ کفِ گلچیں
گھنی تھی جس طرح ہریادل ان کی
تھی یُونہی میری محبّت بھی
سہارا تھی وہ میری رُوح کا لیکن
مفر ہے موت سے کس کو ؟
اگیتے اک پرندے کی طرح اک صبح وہ چل دی
اک اجلی آسمانی اوڑھنی اوڑھے
جو شہتوتی دوپٹے کی طرح اسپید تھا اس
ابرِ کافوری میں پوشیدہ

گئی وہ اور غائب ہو گئی
جیسے نہاں ہو ڈوبتا سورج
یہ ننھا بچہ چھوڑی، جو نشانی جانے والی نے
بلکتا، چیختا ہے شور کرتا ہے
نہیں کچھ پاس میرے چپ کرانے کو
پرندے جیسے چاول کے منڈوں کو اپنی چونچوں میں اٹھاتے ہیں
میں بچے کو اٹھا کر بھینچتا ہوں اپنی باہوں میں
ہمارے خاص کمرے میں
ہمارے دونوں تکیے جس میں رکھے ہیں
اکٹھے ہم جہاں راتوں کو سوتے تھے
شکستہ دل گذاروں اپنے دن تنہا
سحر تک آہیں بھرتا کاٹتا ہوں سرگراں راتیں
میں گو مغموم ہوں چارہ نہیں کوئی
رہے ارماں مجھے بے سود اس کی دید کا ہر دم

مری بیوی مگائی کے پہاڑوں پر
ہے، مجھ کو لوگ کہتے ہیں
وہیں کا عزم کرتا ہوں
بڑی مشکل سے طے کرتا ہوا پتھریلے رستے کو

مگر یہ بھی ہے لاحاصل
کہیں پیدا نہیں ہے میری بیوی کی
کوئی ہلکی سی پرچھائیں، کوئی آثار دھندلا سا!

°چاند پت جھڑ کا پھر چمکتا ہے
ہم نے دیکھا تھا پچھلے سال جسے
وہ مگر تب جو ساتھ تھی میرے
اس کو بچھڑے زمانے بیت گئے

اپنی محبوبہ کو پیچھے چھوڑ کر
کر کے اس کو مرقدِ کوہِ حکیتی کے سپرد
میں پہاڑی راستے سے نیچے آتا ہوں تو کچھ
یوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں زندہ نہیں!

(۴)

مار دے مجھ کو محبت تو مجھے مر جانے دو
کیونکہ مر جانے کے بعد

° حدیث خواب، ص ۷۹

کر کے دہلیز کو پار
اس جگہ آئے گی وہ
مری میّت جہاں رکھّی ہوگی
اور اک بار — اور اک بار —
تو ہوگی وہ مرے پاس کھڑی !

(۵)

جب میں اس کے سامنے رکتا ہوں اور
تابدار آئینے کی گہرائیوں میں ہے جو عکس
دیکھتا ہوں میں اسے
ایسے لگتا ہے مجھے
مِل رہا ہوں میں کسی انجان بوڑھے شخص سے !

کس کا شوہر ہے جو سب کچھ بھول کر
یوں سڑک پر ہے پڑا ؟

وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہی ہے
یہ دنیا جو فساد و شر کا گھر ہے !

میرے کانوں پر مسلّط ہے اک آسیبی سکوت

اوکُورا

OKURA

(۶۶۰ — ۷۳۳)

خواہش عیشِ و سکوں ہم کو ہوتا چینِ حیات
کوئی بپتا نہ پڑے
نوحۂ غم نہ سنیں
صرف کانوں میں پڑے نغمۂ شادی، لیکن
زندگی سخت بھی، بے درد بھی، پُر درد بھی ہے
نمکِ تلخ چھڑکتے ہیں کھلے زخموں پر
لادیں بوجھ اور اسی پہ ضد سے
ادھ مُوا بوجھ سے گھوڑا جو ہو پہلے ہی سے
درد سے بوڑھے بدن کو میرے
کیسے لرزاتی ہے یہ بیماری!
کرب و کلفت میں کٹے
صبح سے شام ہمہ رُوزِ دراز
آہیں بھرتے ہو مری رات تمام

کتنے ہی سال ہوئے اس مری بیماری کو
چھوڑتی ہی نہیں یہ پنڈ مرا
دکھ اُٹھاتا ہوں سسکتا ہوں مسلسل دن رات
موت آجائے تو اچھّا ہے کہوں گو اچھّا
لیکن آسان نہیں مرنا بھی
مکھیاں شور کریں ماہ مئی کی جیسے
چھوڑ سکتا نہیں بچّوں کو تو اپنے ایسے
دیکھتا ہوں میں انہیں جب تو دل اندر سے جلے
کریں اندیشے زدوکوب مجھے
روؤں بے ساختہ اُونچے اُونچے
کوئی تسکیں نہیں ملتی مجھے اپنے دل میں
اس پرندے کی طرح ابر کے پیچھے جو اڑے
اُونچی آواز سے میں روتا ہوں
دُکھ نے گھیرا ہے مجھے بے بس ہوں
جی میں آتا ہے کہ رُوپوش کہیں ہو جاؤں
روکتا ہے مجھے لیکن مرے بچّوں کا خیال
پھینک دیتے ہیں ردی کی مانند
ریشمی اور نگندے ڈبے کپڑے اپنے
یہ امیروں کے گھرانے نہی اولاد ہیں جو

بوریا بھی نہ میسّر ہو مرے بچّوں کو
کیا ہمیشہ یُونہی کُڑھنا ہے مجھے ؟
جھانجھ میں کیا یونہی جلنا ہے مجھے ؟
آتما میری سدا ایسے ہی کیا کلپے گی ؟
مثل اک بلبلے کے آنکھ سے اوجھل ہوتا
ابھی زندہ ہوں مگر اور دعا کرتا ہُوں
عمر ہو میری دراز
مثلِ اس ڈور کے ہوں جس کے ہزاروں فیتمِ
میں کہ اک بندہ حقیر و عاجز
کیسے دس صدیوں کے جیون کا تمنّائی ہُوں !

○

(۲)

سرد راتوں میں
پڑے سرد مہاوٹ جن میں
پھاڑیں کانوں کو ہوا کی چیخیں
سرد راتوں میں گرے برف، ٹپاٹپ پڑے مینہ
اور پھر اور ہو پُر شور سماں طوفانی
اس کڑی موسمی یلغار سے بچنے کے لیے
پاس میرے نہیں سامانِ تحفّظ کوئی
ماسوا اِس کے کہ میں کالے نمک کو گھُٹکوں
دُردِ تہ ساغرِ ساکے کے سیہ گھونٹ بھروں
انگلیاں داڑھی میں اپنے پھیروں
"چُگی" و فاقہ زدہ داڑھی میں
کھانسوں، سُوسُو کروں، خود سے کہوں میں
"ایک نیک آدمی ہوں!"
لفظ مغروری کے خالی خولی
بن رہی ہے مری قلفی یعنی
ٹھنڈ سے جسم جما جاتا ہے

ساکے SA.K E شراب

ٹاٹ کی چادریں گرد اپنے پلیٹوں
اُوپر
ان کے پھر جھر جھرے کپڑوں کی لگاؤں ڈھیری
کئے جاتی ہے مگر ٹھنڈ سرایت پھر بھی
یوں لگے ہڈّیوں میں جیسے گھُسے
لیکن ایسے بھی ہیں جو مجھ سے بھی مفلس تر ہیں
بھُوکے ماں باپ بھڑُے
عورتیں بچّے کہ ہیں اشک گلوگیر ان کے
سرد راتوں میں وہ کرتے ہیں بسر کیسے ؟
ہیں کیسے زندہ ؟
لوگ کہتے ہیں کہ ہیں پہن و فراخ
آسماں اور زمیں
تنگ ہیں دونوں مگر میرے لیے
لوگ کہتے ہیں مہ و مہر ہیں روشن لیکن
دونوں میرے لیے گویا بجھی قندیلیں ہیں
کیا یہ غم سب کے لیے یکساں ہے
یا کہ ہے میرے لیے ہی تنہا ؟
بخت نے مجھ کو بنایا انساں
(اتّفاقاً ہے کہ یا حادثتہً)

اور کسی دوسرے انسان کی طرح
ہل چلاؤں میں بوائی کروں اور گوڈی دوں
مری پوشاک کے، جو
ہو نئی ہونے پہ بھی تار بہ تار
چیتھڑے جھولیں مرے کندھوں سے
چیتھڑے گھاس سمندر کی لٹکتی جیسے
مری کُٹیا کہ جیسے سوکھے کی ماری کہیئے
ہلیں دیواریں بھی چھت بھی اس کی
فرشِ عریاں پہ بچھی پیال
سرہانے مرے، ماں باپ مرے
آلتی پالتی مارے بیٹھے
اور پائینتی میں میری، مری بیوی بچّے
غم سے سُکڑے ہُوئے سہمے ہُوئے سب بیچارے
کبھی اُٹھتا نہیں چُولھے سے دُھواں
دیگ میں تنتی ہے مکڑی جالا
گھر میں دانہ نہ ہو جب چاول کا
چاول ایسے میں پکائیں کیسے؟
ہم پرندوں کی طرح باتیں نقاہت سے کریں
اور فریاد کریں سارِشبانہ کی طرح

بد تریں بد کو بنانے کے لیے
ایک دھاگہ جو ہے پہلے ہی سے بوسیدہ و کم
اِس کے کونوں کو مسلنے کے لیے
گاؤں کا مُکھیا آئے
اپنے چابک کو ہلاتا، میری
ناک کے سامنے، تیکھے پہ مرے
(سُود خواروں کی طرح)
اپنی رقموں کا تقاضا کرتا
یہی ہنجار رہے کیا چیزوں کا؟
گاڑی چلتی ہے یونہی دُنیا کی؟
یونہی ہوتا رہے گا کیا؟ بے شک!
ہم زمیں پر ہیں نہ گنبدِ گردانِ فلک!

اے دل! یہ زمیں کیا ہے؟
نومیدی و رُسوائی
گر پنکھ مرے ہوتے
اُڑ کر میں نکل جاتا
اس کی حدوں سے باہر!

بیضہ آسا ننگِ بال و پر ہے یہ کُنجِ قفس
از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جائیے (غالب)

(۳۱)

وقت کے سامنے ہم ہیں بے بس
(تہِ چرخِ پرتاب اوقات کیا ہے ہماری !)
مہ و سال اک تیز رو آبجو کی طرح
کھینچ کر ساتھ ہم کو
لیے جا رہے ہیں
(کوئی ان کو ٹھہرائے کیسے ؟)
کریں سینکڑوں غم تعاقب ہمارا
ہمارا کبھی ان سے پیچھا نہ چھوٹے
جواں الھڑیں ، نازنیں کمسنیں
چُہلیں ہمجولیوں سے کریں
ساعدیں ان کی جیسے جواہر سے چمکیں
مگر وقت کو کون روکے ؟
عنانِ گسستہ شبابِ گریزاں کی ہاتھ آئے کس کے ؟
وہ مچھلی کی آنتوں کی مانند شب رنگ زلفیں
کرے ان کو اسپید کہرا مہ و سال کا
ان کے گلرنگ گالوں پہ آتی ہیں شکنیں کہاں سے ؟
لگے کھیت میں ہل چلایا ہو جیسے کسی نے

جواں لڑکے تیغیں کمر میں حمائل کئے
اپنے ہاتھوں میں پکڑے شکاری کمانیں
سمندوں پہ اسوار
زینیں کتاں کی کسے
ان کو دوڑائیں مغروری و تمکنت سے
مگر ان کی دنیا ہے کیا جاوداں ؟
کیا رہے گی جوانی سدا مہرباں ان کی ان پر
ہیں کتنے قلیل ایسے دن جب
کہ وہ کھول کر خوابگاہوں کے پٹ
پہنچیں اپنے محبوب تک
اور اس سے ہم آغوش ہوں
باہیں باہوں میں الجھا کے سوئیں
مزے رتجگے کے (کہ یا نیند کے) لوٹیں
ہو شوریدہ سر کی جواہر لدی باہنہ تکیہ
ہوا کی طرح دن گذر جائیں یہ ، پھر
عصا ٹیکتے وہ
چلیں لڑکھڑاتے سڑک پر
ہنسیں لوگ ان پر، کریں ان سے ٹھٹھا
انہیں دیکھ کر مُنہ حقارت سے موڑیں، سکوڑیں

یہی طرزِ دنیا ہے رسمِ زمانہ یہی
ہے بڑھاپے کا ہر گاہ ہر جا فسانہ یہی
زندگی سے میں جتنا بھی چمٹوں
کمک ہے مدد ہے نہ درماں کوئی !

میری خواہش تو یہی ہے کہ چٹانوں کی طرح
میں رہوں قائم و دائم لیکن
فانی انسانوں کی اس دُنیا میں
دامن اپنا میں بڑھاپے سے بچاؤں کیسے ؟

(۴)

جن کا خواہاں ہے زمانہ، ہیں جو دنیا کو عزیز
ہستی ان سات خزانوں کی مرے سامنے کیا!
وہ فروہی کہ جو تخلیق تھا ہم دونوں کی
دُرِ اسپید ہمارا، وہ ہمارا پیارا
صبح کو ساتھ لیے، نجمِ سحر کے ہمراہ
ناچتا کودتا بستر پہ کھڑا یا بیٹھا
ہوتے تھے شاملِ ہنگامہ ہم
شام کے تارے کے سنگ
جھٹپٹا جب آتا
کھینچ کر ہاتھ ہمارے کہے: بستر پہ چلو!
مرے ابّا! مری ماں! مجھ کو نہ چھوڑو تنہا!
دونوں ہی ساتھ رہو
بیچ میں اپنے مجھے سونے دو
یوں لگے پیڑ ہے سہ شاخ کا ساقی کوُسا
بولتا تھا اسی انداز سے وہ پیارا مُنہ
اک گرانڈیل سفینے پہ بھروسا جیسے
کوئی کرتا ہے، ہمیں بھی تھا بھروسا یونہی

وقت کے ساتھ جواں ہوگا پھلے پھولے گا
غم و شادی میں شریک اس کے رہیں گے ہم بھی
یک بیک ایک بگولے نے ہمیں آگھیرا
پکڑا بیماری نے جھٹکے سے ہمارا بچہ
آستینوں پہ کسی پھر میں نے
ڈور اسپید کہ تھی پٹ سن کی
روشن آئینہ پکڑ کر میں نے
——— بامِ گردوں کو تکا
اور اربابِ فلک سے کی یہ دُعا
اپنی پیشانی زمیں پر رکھ کر
کیں خدایانِ زمیں سے بھی دعائیں کیا کیا
عالمِ وحشت و دیوانگی میں :
"اس کی تقدیر کے تم مالک ہو
مار دو چاہے شفا دو اس کو !"
کام آئیں نہ دعائیں میری
التجائیں مری بیکار گئیں
دن بدن اور وہ گھلتا ہی رہا
اس کی آواز نکلتی نہ سحر کے ہنگام
زندگی سانس بہ سانس اس کے بدن سے نکلی

اک شوریدگی کے عالم میں
میں اٹھا اور اٹھ کر
ماری دروازے کو شدّت سے اچھل کر ٹھوکر
چیخا چلاّیا
گھورا اوپر، تکا نیچے، غم سے
اپنے سینے پہ دو ہتّڑ مارے
فرطِ صدمہ سے بیاکل، پاگل
مری باہوں سے مرا بچّہ مگر
اڑ گیا — طرزِ جہاں کیا ہے یہی ؟

○

ننھّی سی جان ابھی چھوٹی ہے
راستہ اِس کو ہے معلوم کہاں ؟
پیش کرتا ہُوں تحائف تجھ کو
اے کہ تو عالمِ اسفل کا سفیر!
پیٹھ پر اپنی اُٹھالے اس کو!

○

چڑھا کر میں نذرانہ کرتا ہوں یہ التجا :
اس کو دھوکا نہ دو
اس کو لے جاؤ سیدھا
بتاؤ اسے
آسماں کا بتاؤ اسے راستہ !

○

سونے سے زیادہ
چاندی سے زیادہ
گنجینۂ گوہر
جو سب سے ہے بڑھ کر
انمول خزانہ
بچّے ہیں ہمارے !

OTOMO TABITO

اوتوموتابیتو

(۶۶۵ — ۷۳۱)

(یاکاموچی کا والد)

زندہ ہیں جو چیزیں بالآخر فنا ہو جائیں گی
اس لیے تو زندگی
سرخوشی کی مہلتِ نایاب ہے میرے لئے

○

نہ دوں گا کبھی دوسری عورتوں کو
وہ ہاتھ اپنا جس پر ٹکایا تھا سر
میری مرحومہ بیوی نے اپنا

○

اُٹھاؤں عیش اگر اس زندگی کے
بھلے پھر آنے والی زندگی میں
بنا دیں مجھ کو کیڑا یا پرندہ!

○

میری زوجہ نے لگایا تھا جو آلوچے کا پیڑ
جب بھی دیکھوں میں اسے
میری آنکھیں ڈبڈبائیں اور میرا دل گھٹے

اُیُو

OYU

(ساتویں صدی)

شام ہو تو کنارہ ناوہ دُھؤاں
ان کا جو کہ نمک جلاتے ہیں
ہو کے ناکام پار اُترنے میں
تیرتا ہے پہاڑ کے اُوپر

مجھے وہ دخترِ دلبر کبھی نہ بھُولے گی
جو اتّفاق سے مجھ کو ملی سَرِ رہ گذر میں

ہمیں علم ہو سکتا اے کاش ہم زندہ کب تک رہیں گے
جڑیں گھاس کی آڑ باندھیں یہاں، ساتھ اس کے
دُعا زندگی کی درازی کی مانگیں

○

شہزادہ اوہیو
PRINCE OHYO

جان سکتے کاش کے ہم
تا بکے زندہ رہیں گے
کتنی مُدّت ہے ہماری زیست کی ؟

○

تارُوہِیتو
TARUHITO

(آٹھویں صدی)

گُھنگی سب پہ ہُوئی بے خبری میں طاری
سروِ کہسار بھی جو
نیزوں کی صورت تھے کھڑے
ان کے پیروں پہ جمی کائی کی اک موٹی تہ !

ہاکُوتسُو

HAKUTSU

(و ۷۰۴)

مکانِ سنگ کے پاس اے شجرِ صنوبر کے
میں دیکھتا ہوں تجھُے جب تو ایسے لگتا ہے
کہ اگلے وقتوں کے لوگوں کے رُوبرو ہوں میں

○

مانسے ای

MANSEI

(و ۷۲۰)

میں اس دُنیا کو دُوں کس شے سے تشبیہ
سفینہ چل دیا جو صبح اُس کے
عقب کی دُودھیا پَن لیکھ سے کیا ؟

کسے آرزو اس قمر کی نہ ہوگی
کرے خود کو مخفی جو چوٹی کے پیچھے ؟

اوتومویاکاموچی OTOMO YAKAMOCHI.

(۷۱۸ - ۷۸۵)

(۱)

اپنے ذوالقدر ولی نعمت کے
کارِ خدمت میں جزیروں کی حفاظت کے لیے
میں چلا سمتِ جنوب
اپنے پلّو کو پکڑتے ہوئے میری ماں نے
جسم پر میرے ملا اس کو پئے حفظ و اماں
میرے والد نے کہ شہتوت کی رسّی کی طرح
موئے ریش اس کے سفید، کر کے تر اشکوں سے اسے
نالۂ سرد کیا اور کہا :
میرا بیٹا کہ جو اکلوتا ہے
صبح ہوتے ہی کرے گا اپنا
تازہ سامانِ سفر
اب ملاقات دوبارہ ہوگی
تو بہت سالوں مہینوں کے گذر جانے پر"

مری بیوی بھی ہُوئی یوں گویا :
آج ہی دن کے لیے
آؤ آپس میں کریں ہم باتیں
گھاس کی طرح ملائم — وہ ہُوئی غمزدہ یُوں :
مرے بچّے بھی مرے گرد ہُوئے جمع آکر
نیم جاں ، نالہ چکاں ، گریہ کناں
مثلِ طیورانِ بہار

آستینیں بھی سفید
مثلِ شہتوت کے تراشکوں سے
کھینچتے تھے وہ مرے ہاتھوں کو
تھے جُدائی پہ وہ بردا شتہ خاطر سارے
چھوڑنے پر مجھے تیّار نہ تھے
میں چلا تو چلے پیچھے پیچھے
اپنے ذی جاہ ولی نعمت کے
حکم کی میں نے اطاعت کی مگر
باندھ کر رختِ سفر چل ہی پڑا آخر کار
ہر پہاڑی کی کگر سے میں نے
مڑ کے دیکھا فقط اک بار نہیں
بلکہ یوں کہیے ہزاروں دفعہ

دار و دستہ سے میں ایسے بچھڑا
یاد آتے ہیں تو ہوتی ہے طبیعت بے چین
یاد کے بوجھ تلے دل مرا رہتا ہے دبا
نہیں معلوم کہ کب آ جائے
آخری وقت مرا ؟
مانگتا ہوں یہ دُعا
کہ جزیرے سے جزیرے تک کا
یہ سمندر کا خطرناک سفر
میں کروں امن سے عافیّت سے
جاؤں اور جا کے پلٹ بھی آؤں
آنے جانے میں جو وقفہ ہے یہ اس کے دوران
رہیں ماں باپ مرے خیر سے خیریّت سے
ہر مصیبت سے بلا سے محفوظ
اہلیہ میری ، مری راہ تکے
دیوتا بحری مسافر کا محافظ ہے جو
اس سے کی میں نے دعا :
اہلِ خانہ سے یہ کہہ جا کے مرے
چاق و چوبند ہُوں میں
گشت رہتا ہے جزیرہ بہ جزیرہ میرا

مرے ماں باپ کو بتلانا یہ :
کہ سفینہ مرا موجوں پہ رواں
اور سمندر ساکن

○

ابر وہ ابرِ باد پیما جو
دور کے آسماں پہ اُڑتا ہے
لوگ کہتے ہیں نامہ بر اس کو
نام رکھتے ہیں میگھ دُوت اس کا
پر کوئی نامہ بر مرے تحفے
مرے گھر لے کے جا نہیں سکتا

○

ہے ہمارا جو جہاز
اوٹ میں ایک جزیرے کی ہے لنگر انداز
ایلچی کوئی نہیں جو یہ خبر لے جائے
رُکنا بے سُود ہُوا ——— عملے کو دُوں حکمِ سفر؟

(۲)

سوادِ سوہو کا دریائی پتن
جہاں پر چہچہا کرتی ہیں کبکیں
گذر کر اس کے اچھلے پانیوں سے
چمکتے ہیں کسی بلّور کی طرح جو
تمہارے پاس آسکتا ہُوں کب میں
سوارِ پُشتِ اسپِ بادپیما ؟
تمہیں سپنے میں جب سے مُسکراتے
ہُوئے دیکھا ہے میں نے اتّفاقاً
محبّت کا نہ بُجھنے والا شُعلہ
میں اپنے دل میں رکھتا ہُوں فروزاں
میں کیسے گھُل رہا ہُوں گھُل رہا ہُوں
محبّت کی ستم فرمائیوں سے
سمجھتا تھا جو اپنے کو توانا
جو رکھتا تھا بلند اپنی خودی کو

یوں تمہارے لیے کڑھنے کی بجائے اے کاش
پیڑ بن جاتا میں پتھّر ہی بھلے ہو جاتا

پیت کے دُکھ کا تو احساس نہ ہوتا مجھ کو !

ہو چکی مجھ سے میری جان جُدا
بے دلی سے چلے گی بادِ خزاں
اب میں آئندہ اے غمِ ہجراں
سوچتا ہُوں کہ کیسے کاٹوں گا
راتیں تنہائی و جُدائی کی

شام جب آئے گی تو
کھُلا چھوڑ دوں گا میں پہلے ہی دروازے کو
اور پھر انتظار اس صنم کا کروں گا
کہ جس نے کہا تھا کہ وہ آئے گا
خواب میں مجھ سے ملنےؔ !

وہ ایک شام کہ جب
وسیع بحر پہ پھیلیں بہار کی دُھندیں
اُداس درد بھری ہو پکار کونجوں کی

---

۵ دشتِ شام (طبع دوم)، صفحہ ۲۳

تو یاد آئے مجھے اپنا دُور پار کا گھر !

میں گھر کی یاد میں کھویا ہُوا بے خواب بیٹھا ہُوں
کنارے کے نیستانوں میں گونجیں بول کونجوں کے
بسنتی دھند میں کھوئے !

سینہ ہو زخمی تو زخم دل کا بھرے

کیا کروں تدبیر اس شے کو بھلانے کی وہ شے
نام جس کا عشق ہے ؟

کہوں کیا میں ؟ کروں کیا میں ؟
سمجھ میں کچھ نہیں آتا !

کیسے اس گوہرِ شہوار کو قبضے میں کروں
دیکھنا چاہوں میں دن رات جسے ؟

وہ چیز ہے یہ سوچتے ڈرتا ہُوں جسے
وہ چیز ہے یہ بولتے ڈرتا ہُوں جسے !

دوسری دنیا کو جانے والا رستہ گر مجھے معلوم ہوتا
میں رکاوٹ کیا نہ کر دیتا کھڑی
تاکہ پھر رہتی وہ میرے پاس ہی !

پھول ہر چند ہو چکے رخصت
میرے آنسو ابھی نہیں سوکھے

نہ اپنے پاس میں ٹھہرا سکا اس کو
اکیلی اب وہ سوتی ہے پہاڑوں میں !

پنکھ جو باغ میں لگائے تھے
مری دلدار نے مری خاطر
تاکہ دیکھوں انہیں میں پت جھڑ میں
اپنی پوری بہار پر ہیں وہ
خود مگر وہ کہاں ہے بتلاؤ
جس نے چھوڑا یہ تحفہ میرے لیے ؟

موت انساں کا مقدّر ہے
مجھے معلوم ہے مگر پھر بھی
چین لینے نہ دے دلِ محزوں
اپنی محبوب کا مناؤں سوگ
شدّتِ غم سے آہ و نالہ کروں !

⊙

تاجی ہی

TAJIHI

(آٹھویں صدی)

بطیں پکاریں سرِشام نیستانوں میں
کریں سحر کو شنا گھس کے جوئباروں میں
وہ سوئیں جوڑوں سے مل کر یہی زباں زد ہے
سفید رنگ پروں کو ملا کے آپس میں
دُموں کو بدلنوں پہ پھیلائے شامیانہ کئے
بچاؤ کورے سے ہو اور جسم گرم رہیں
کہ جیسے جا کے پلٹتی نہیں ہے جُوئے رواں
کہ جیسے بادِ خراماں نظر نہیں آتی
چلی گئی ہے مجھے چھوڑ کر مری بیوی
جو اس جہاں میں رفیقِ حیات تھی میری
چلی گئی ہے کہاں کچھ خبر نہیں اس کی
مجھے اڑھاتی تھی جو کپڑے ان کے دامن پر
میں بدلوں کروٹیں تنہا، فراق کا مارا
برہ ہے بھاگ مرا، بخت میرا اکلاپا!

○

نرسلوں بھرے ساحل
کی طرف رواں کونجیں
سُر سے سُر ملاتی ہیں
میں فسردہ و بیدل
اپنی کھاٹ پر تنہا !
(سارس آواز دیں
نیستانوں کو پرواز کرتے
میں بے بس نڈھال
اب پڑا ہوں اکیلا)

○

آسون

ASON

اکٹھّے رہنے کا پیمان ہم دونوں نے باندھا تھا
کہولت کے اثر سے مُوئے سر اسپید ہونے تک
مگر واحسرتا گھر والی میری کر گئی رحلت
نشانی چھوڑ کر پیچھے مرے پاس اک ترحّم خیز بچّے کی
وہ اب مدفون ہے وحشت نشاں کوہِ سگارآ میں
سحر گہ میں نکلتا ہوں
جو دن ساتھ اس کے گذرے ان کی شیریں یاد میں کھویا!
اکیلے جھونپڑے میں شب کو اس کی موت پر
آنسو بہاتا ہُوں
کبھی جب بچّہ گریہ کرنے لگتا ہے
تو لے لیتا ہُوں اس کو بازوؤں میں یا کمر پر
خود بھی روتا ہُوں
جو رخصت ہو گئی اس کی تمنّا میں تڑپتا ہُوں!

○

تاکامُورا
TAKAMURA

(۸۰۲ — ۸۵۲)

برف کے گالوں کے پردے میں نہاں
رنگ گو پنکھڑیوں کا ہو تمہاری پنہاں
پر فشاں کرتے ہو خوشبو کو تم اپنی پھر بھی
تا کہ کھلنے کی تمہارے ہو خبر لوگوں کو!

اُوتامارو
UTAMARO

میں سفر میں ہوں مگر
رات پڑتے ہی کروں روشن الاؤ
اور اندھیرے میں حبیبِ جاں مری
ہو گی سرتاپا تپش میرے لئے!

شہزادہ یاہارا
PRINCE YAHARA

ابرِ کہسار کے نظّارے سے
کبھی تھکتی نہیں میری آنکھیں
تم سے ہر روز میں ملتا ہوں اگرچہ پھر بھی
تشنگی دید کی باقی ہے وہی !

مِیناکا
MINAKA

کل وہ ہمارے ساتھ تھا
پر آج بالائے صنوبر بادلوں کے ساتھ ہے !

مِیچی نوبُو
MICHINOBU

دن ڈھلے گا رات آجائے گی پھر سے
یہ مجھے معلوم ہے
جانتے ہو تم سحر سے کتنی نفرت ہے مجھے ؟
جو کہے چند لا کے جانے کا مجھے

فُومی نوچی FUMINOCHI

(اپنے بھائی سے :)

رات لازمًا ہو گی
مضمحل، تھکن والی
تم اکیلے سوتے ہو
یاد دُکھ سے کرتا ہوں
جو بچھڑ گئی تم سے
اس تمہاری پیاری کو!

ہیرو نِیوا HIRONIWA

آج کی رات تیز گام ہے چاند
اپنی دلبر کے گھر پہنچ سکتا
کاش اس کے غروب سے پہلے!

○

میں باہر منتظر تیرا ہوا میں نم ہے شبنم کا

کادوبے

KADOBE

جو پودا میں نے میلے سے خریدا تھا وہ اب چھتنار لگتا ہے
حبیبِ جاں! تمہیں دیکھے ہُوئے عرصہ ہُوا اتنا!

اودا

ODA

میں کوہِ سے کو گھر کی آرزو میں پار کرتا ہوں
خمیدہ سرو کی شاخیں سمجھتی ہیں مرے غم کو

کامی

KAMI

ہے پرے دُور پار میرا گھر
میں نے کہسار جو عبور کئے
بادلوں کا نقاب تھا ان پہ!

اِکیّوُ
IKKYU

ہمارا کوئی ہمراہی نہیں ہے
اس جہانِ آب و گِل کی
رہگذارِ مرگ و ہستی پر
ہے مرنا بھی اکیلے میں
جنمنا بھی اکیلے میں!

یاسُوسُوائے
YASUSUE

اک زمانے میں چلا کرتے تھے ہم جس پر کبھی
اب تمہارا کچھ بھی تو اس گھاس میں باقی نہیں
ہم کو آئے کس قدر مُدّت ہُوئی!
وہ چمن اُجڑا پڑا ہے آج کل!

یُوکی ہِیرا
YUKIHIRA

(۸۹۳ — ۸۱۵)

(ناری ہیرا کا بڑا بھائی)

غبارِ شبنم کا پیرہن جو
بہار کی زینتِ بدن ہے
ہے کتنا باریک اس کا بانا
کہ ایک چھن میں ہوائے کوہی
اِسے اتھل ڈالے بے طرح یُوں
ہو منتشر اس کا دانہ دانہ !

سُورُوگا مارو
SURUGAMARO

اس گوہرِ یکدانہ کا سودائی ہُوں
ہر روز ہزار بار اسے یاد کروں
معذور ہوں لیکن اسے اپنانے سے
محرومی پہ اپنی کفِ افسوس ملوں !

ہینجو HENJO

(۸۹۰ — ۸۱۶)

پھُول جب ٹُوٹتے ہیں خاک میں مل جاتے ہیں
بے خبر تیتری پھر بھی ان میں
پھڑپھڑاتی ہے بہت عرصے تک

یوشی نوبُو YOSHINOBU

(۸۹۱ — ۸۲۱)

رات کی روشنیاں
جیسے ہنگامِ سحر بُجھ جائیں
سُلگیں افکار مرے دل کے یُونہی !

ناری ہیرا NARIHIRA

(۸۲۳ — ۸۸۰)

بے باک کر دیا مجھے یُوں تیرے عشق نے
لوگوں سے جو حجاب تھا میں نے اُٹھا دیا
اعجاز ایک یہ بھی ہے سودائے عشق کا
قیمت تمہارے وصل کی ہو موت بھی تو کیا
"اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں !"

اپنے بستر پہ کروٹیں لیتا
رات ساری (طویل و تنہا رات)
نہ تو میں جاگتا نہ سوتا تھا
یہ بھی فصلِ بہار کی شے ہے
دھند یہ دھند لمبی بارش کی
تاکتا ہوں میں اتنی دیر جسے !

بدل گیا ہے مہِ زرنگار کیا یوں ہے؟
بہار بھی وہ نہیں ہے پرانے وقتوں کی
مرا بدن ہی فقط کیا وہی ہے پہلے کا؟
وگرنہ تو نظر آتی ہے مختلف ہر شئے

تاداؤمی TADAOMI

(۸۲۸ — ۸۹۱)

ڈالتا ہوں میں نظر کنگھے پہ اور اس پر جو پانی پر گرا
ہے شباب و عمر میں جو بُعد اس کو پاٹنے کی شکل کیا؟
چاہے جو کچھ بھی کرو دونوں کبھی یکجا نہ ہوں
مت کہو مجھ سے کہ میرے بال روزانہ ہُوئے جاتے ہیں چھدرے
اُگ رہا ہے سبزۂ خط میرے پوتے کا یہ دیکھو کس طرح!

؎ حدیث خواب ص ۱۹۸

سُوکاسا
SUKASA

(۹۰۰ و)

اگر ہو نہ بلبل نوا زن
تو کیسے کہستانی دِہ کو
جہاں برف پگھلی نہیں ہے ابھی تک
خبر ہو بہار آ گئی ہے ؟

یوشیکی
YOSHIKI

(۹۰۱ و)

محبّت ہے مری اس گھاس کی سی جو چھپی ہو گھرے پربت میں
اگرچہ وہ بڑھے پھُولے
خبر اس کی نہ ہو لیکن کسی کو بھی

میچی زانے
MICHIZANE

(۹۰۳ — ۸۴۵)

پُروا چلے تو بھیجو
خوشبو تم اپنی مجھ کو
آلوچے کے شگوفو!

ہو چکا ہے غیر حاضر
گھر سے تمہارا آقا
ہرگز نہ تم بھلانا
لیکن بسنت رُت کو

(اپنی جلا وطنی پر)

مُونے یُوکی
MUNEYUKI

(۹۳۹ء)

پہاڑی دیہہ میں میرے
زمستاں بیشتر سنسان ہے ویران ہے کیونکہ
گیاہ و آدمی دونوں ہی مرجھا جاتے ہیں اس میں!

تسُورایُوکی
TSURAYUKI

(۹۴۶ — ۸۸۴)

گرمیوں کی رات
کرتا ہوں ابھی آنکھیں ہی بند
میں ، کہ کُوکُو
کر دے اعلانِ سحر
اپنی اک تنہا ، اکیلی کُوک سے

کہ نہیں سکتا میں اب کچھ ہمدمِ دیرینہ میرا
سوچتا ہے کیا مگر
اس جگہ جس سے میں واقف تھا
وہاں کے نخلِ شفتالو کی پنکھڑیوں
میں ہے خوشبوئے دیرینہ وہی

سلسلے کوہِ بہاراں کے کئے میں نے عبور
اس قدر پھُول گرے تھے کہ ہٹانا مشکل
راہ چلنے کی بنانا مشکل

ہو رہنڈ کھونند جیسے
طوفان کے بکھرے
گیلاس کے گلوں کی
بے آب آسماں میں
لہرائی موج یونہی !

اپنی برداشت کی حد سے باہر
ہے محبّت مجھے جس لڑکی سے
اس سے ملنے کو میں جس وقت گیا
اسس زمستان کی رات
پانی دریا کا تھا ٹھنڈا ایسا
کہ پلوور بھی تھے فریاد کُناں !

یوری زانے
YORIZANE

(دسویں صدی)

دن ہُوا آخر ملاقاتی گئے
(اپنے) پہاڑی گاؤں کو
اب تو چوٹی پر کی طوفانی ہواؤں کا خروش
رہ گیا باقی فقط !

تادا مِینے
TADAMINE

(دسویں صدی)

اس جُدائی کے بعد سے جب وہ
اتنی بے حس تھی سرد مہر اتنی
ہو بوقتِ سحر، قمر جیسے
شے سِتمگر نہیں کوئی ایسی
جس طرح روشنی سحر گہ کی

چلتی ہے ہوا جب تو سفید ابر پھٹیں
برفوں سے ڈھکی چوٹی سے ٹکرا کر
اتنا ہی خنک ہے کیا تمہارا دل بھی ؟

کانے موری
KANEMORI

(دسویں صدی)

میں تو اس کو چھپاؤں مگر
میری آنکھوں سے ہو آشکار
پیار میرا کچھ اس رنگ سے
لوگ مجھ سے کریں یہ سوال
رہتے ہو گم میاں کونسی سوچ میں ؟

یاشُوہِیدے
YASHUHIDE

(دسویں صدی)

کریں رنگ تغیر اپنے گیاہ و شجر
سمندر کے زخّار میداں میں لیکن
نہیں موجِ جولاں کو خوفِ خزاں

یوشی تادا
YOSHITADA

(دسویں صدی)

جیسے ملّاح کوئی بے پتوار
آبنائے یُرا کو پار کرے
اس رہِ عشق کی منزل نہیں معلوم مجھے

شیگے یُوکی

SHIGEYUKI

(۱۰۰۰ء)

تازیانے کھا کے بادِ تند کے
اور ٹکرا کر چٹانوں سے مچلتی بحری موجوں کی طرح
ذات میری ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی
اور اب ارمانوں میں ہے کھوئی ہوئی

توشی ناری

TOSHINARI

(۱۱۱۴ — ۱۲۰۴)

جس نے رمنڈ کر
آدھی رات جگایا مجھ کو
وہ کوکلہ کیا اُڑ گیا ہے ؟
اس کا نغمہ لیکن
یوُں لگتا ہے
ہے سرِ بالیں اب تک !

(کیا اڑ گئی وہ
کل کنٹھ جس نے
اپنی کُہک سے
ادھ رات مجھ کو
اک دم جگایا)

○

○

اوہ، آہا، یہ ہماری دُنیا
دُشنگاری کی کوئی راہ نہیں
دلِ بیتاب کو پہلو میں لیے
میں پہاڑوں کے نشیبوں میں گیا
محوِ نالہ تھا وہاں بھی پاڑا
نیم شب کے وقت بھی
اگرچہ ایسے وقت آتا ہوں میں شاذ ہی
صنوبروں کے درمیاں
حزیں ہوا
ہمیشہ، کائی کے تلے
اسے جو محوِ خواب ہے
ضرور سُننا ہے اسے؟

(خزاں میں اپنی بیوی کی قبر کے پاس
ایک مندر میں قیام کے دوران)

○

سائی گیو SAIGYO

(۱۱۱۸ ــــــ ۱۱۹۰)

میں حقیقت کو بھی حقیقت کا
نام دینے سے احتراز کروں
نہیں کھلتا مگر کہ کس رُو سے
خواب کو خواب مان لیتا ہوں

بہار کی ہواؤں نے
دیا بکھیر پھولوں کو
میں دیکھتا تھا جب سپنا
کھلی ہے آنکھ اب میری
تو بے سکوں ہے دل میرا

گر بنا کوئی اجنبی پھر سے
میں کروں اس سے کس لئے نفرت ؟
کیونکہ وہ بھی تو اک زمانہ تھا
کہ نہ تو میں ہی جانتا تھا اسے

اور نہ ناں وہ ہی مجھ سے واقف تھا!

بدل رہی ہے بدلتی ہے متّصل ہر شے
زمیں کے پردے پہ اس آسمان کے نیچے
چمک رہا ہے اسی روشنی سے چاند مگر!

ایک ویران کھیت کے پاس ایک
کھڑا پیڑ اس میں فاختہ کی صدا
جو بلاتی ہے اپنے ساتھیوں کو
اک اُداسی بھری بھیانک شام

کبھی تھا یہ مرے وہم و گماں میں
کہ پھر اک بار گزروں گا ادھر سے
میں بوڑھے آدمی کی حیثیت سے؟

شہنشاہ سُوتوکُو
EMPEROR SUTOKU

(۱۱۶۴ — ۱۱۱۹)

تند موجوں کو روکتی ہے چٹان
بٹے ندّی اگرچہ ٹکڑوں میں
لیکن آخر میں ایک ہو جائے!

لوٹ آئے شگوفے جڑوں کو
پرندے قدیم آشیانوں کو لیکن
کسی کو نہیں ہے خبر
موسمِ گُل کہاں چل دیا!

سانے سادا SENESADA

(۱۱۳۹ — ۱۱۹۱)

کُوک کُوکُو کی کان میں آئی
میں نے آواز کی طرف دیکھا
پر وہاں صرف چاند فجر کا تھا[۱] !

یارِ دلبر کی کمر کو
نہ مری باہوں نے حلقے میں لیا
اک شجر تھا کوئی
لپٹے مرے بازو جس سے
ایک بھی لفظ نکالا نہ شجر نے مُنہ سے[۲] !

---

۱ حدیثِ خواب ص ۸۱
۲ حدیثِ خواب ص ۷۸

تادانوری TADANORI

(۱۱۸۴ — ۱۱۴۴)

اندھیرے سے گھر کر
بناؤں شجر کے میں سائے کو
اپنی سرائے
مرا میزباں آج کی رات
اک پھول ہوگا !

آری اِیئے ARIIE

(۱۲۱۶ - ۱۱۵۵)

کہا تم نے کہ تم مجھ کو نہ بھولو گی
یہ محض الفاظ تھے
وہ چاند جو اس رات روشن تھا
اور اب دوبارہ نکلا ہے
بچا ہے صرف لے دے کر یہی باقی

حدیث خواب ص ۱۹۸

ییے تاکا

IETAKA

(۱۲۳۷ — ۱۱۵۸)

آلوچے کے شجر کی
خوشبو کے نیچے گزرا
جو، اس کو یاد کرتے
آلوچے کے شجر سے
اس دوسرے کی میں نے
پوچھی خبر پہ افسوس
وہ چاند فصلِ گُل کا
یخ بستہ (خوبصورت
بے دید، بے مروّت) !

○

تے ای کا

TEIKA

(۱۲۴۱ — ۱۱۶۲)

شبِ بہار کے سپنے کا تیرتا ہُوا پُل
گرا ہے ٹوٹ کے جب، آنکھ کھل گئی میری
کھسک رہا تھا پرے، برفپوش چوٹی سے
کنارہ بادلوں کا، آسماں کے (دریا میں)

وہ کہ جس کا ہے انتظار مجھے
آئے نت اک پہاڑی رستے سے
بند اب تک جو ہو چکا ہوگا
کیونکہ (میرے مکان کے باہر)
برف کے ہیں گلولے آویزاں
ادلتی پر کے دیوداروں پہ!

جاکُورین
JAKUREN

(۱۲۰۲ :)

بہار ختم ، کہاں ہو اب اس کی بندرگاہ ؟
مجھے خبر نہیں ، کُہرے میں آنکھ سے اوجھل
رواں ہیں سینۂ دریا پہ بجرے ایندھن کے

پُوچھ سکتا ہے بھلا کون یہ تنہائی سے :
کس طرح اور کہاں
ہوتا ہے آغاز اس کا
کوہِ شمشاد پہ شامِ پائیز ؟

مِیچی تومو
MICHITOMO

(۱۲۲۷ ۱۱۷۱)

اس نے کیا تب یہ وعدہ مجھ سے
آئے گا فی الفور پاس میرے
یہ بات — یہ بات خواب کی ہے
پر نور کے تڑکے چاند پھر بھی
لگتا تھا اس رات کی طرح ہی
جس رات جس رات ہم ملے تھے

زکّائی
ZAKKAI

(۱۳۳۶ــ ۱۴۰۵)

تاکہ یاں اُٹھنا بیٹھنا میرا
ہو پرندوں سے اور بادلوں سے
وہ بلند و بعید دروازہ
ہے جو واقع ہزار چوٹیوں پر
میں نے تالا لگا دیا اس کو
پربتوں کو تمام دن دیکھوں
جب کہ بھرتی ہوں بانس کے در کو
وہ ہوائیں کہ بے غبار ہیں جو
ناشتہ نارون کے پھولوں کا
اور تن پر لباسِ رہبانی
رنگ جس کا ہے مثلِ کستانہ
یہ ڈھلانیں سیہ، حزیں، تنہا
ان سے مجھ کو نکالنے کے لئے
خواب دنیا کے پاس ہیں کیا کیا ؟

تے ای تو کا

TEITOKA

(۱۵۷۰ / ۷۱ — 1653)

کل بھی یونہی اسی طرح ہو گا
سوچتے ہیں ہم ایک دن پہلے
آج ہوتا ہے پہ ہمیں محسوس
سب تغیّر ہے سب تبدّل ہے
ہے یہی قاعدہ زمانے کا

(شعرِ مرگ)

○

قطرۂ شبنم اک یہ مری زندگی
ہو رہی ہے فنا
گو ہر اندود صندوق میں ہیں جو کپڑے
دوبارہ کیئے جا سکیں گے نہ وہ زیبِ تن
یہ قانون ہے

(شعرِ مرگ)

مُونے تاکے
MUNETAKE

(۱۷۱۵ — ۱۷۷۱)

میں غیر ہوں اسی باعث
حیران ہو کے سُنتا ہوُں
کیا حال ہے مچھیروں کا
ہر رات جن کی کُٹیائیں
سُنتی ہیں شور لہروں کا ؟

ریوکان
RYOKAN

(۱۷۵۷ — ۱۸۳۱)

ہوا خوشگوار ہے
قمر تابناک ہے
سو آتا اکٹھے ہم
یہ شب کاٹیں ناچ کر
بڑھاپے کے دَور کی
نشانی کے طور پر !

کاگیکی

KAGEKI

(۱۸۶۳ — ۱۷۶۸)

دھندلے انبر پہ بہت دُور کہیں
دیکھے پرواز کُناں
جنگلی قازوں کے جھلّڑ میں نے
کل بھی دیکھا تھا انہیں — آج بھی —
پرواز کناں

وہ کُڑی جس کی گئے وقتوں میں
جھاڑیوں میں سے جھلک دیکھی تھی میں نے اک بار
کاہِ نو خاستہ پر اسپ چراتے اپنا
ہو چکی ہوگی پہ افسوس وہ اب تک بوڑھی!

میرے بستر کے تلے
بولتے جھینگر سُننا!
اور لوگوں کو نہ بتلا دینا
اپنی دلبر سے مرے راز و نیاز!

رائی سانیو
RAI SANYO

(۱۸۳۲ — ۱۷۸۰)

بہار چلی گئی
بال چلا گیا
دو دکھ اُس دن

بہار لوٹتی ہے
اور یہ مویا بچّہ ؟
دھوکے کے پھول
ایک لمحہ آنکھ کو مسحور کرتے ہیں

پُرکار خلاق ، انسانوں سے کیسے کھیلتا ہے ؟
اگلے سال جب پُورب کے کھیتوں میں ، میں
بہار کی راہیں تلاش کروں گا
تو کون اُٹھائے گا خُمِ شراب
اور بوڑھے آدمی کے پیچھے پیچھے چلے گا ؟

آکیمی
AKEMI

(۱۸۶۸ — ۱۸۱۲)

کیا ہی ہنگام انبساط کا ہے
صبحدم اُٹھ کے نکلوں جب باہر
دیکھوں اک پھُول کو دمکتے ہُوئے
جو کہ کل تک نہ تھا وہاں موجود!

کوتومیچی
KOTOMICHI

(۱۹۶۸ — ۱۷۹۸)

ہے خُوشبو ہی بارِ ہوا
میں نے سوچا
مگر پتّیاں بھی تو چکھّہ لگاتی ہیں
آلوچے کے باغ کا

نہ آنا تھا بہتر
پچھیتی بہاروں کی تنہائیِ سہ پہر میں
مجھے چھوڑ جانے سے تنہا!

گمنام

پالتی ہے مری ماں جو ریشم کے کیڑے
ماں ہے ڈھلکا ہُوا جس کا سینہ
اپنے کویوں میں محبوس ہیں،
اپنے گھر میں مقیّد ہے دلدار میری
اس سے ملنے کی تدبیر کوئی؟

بہاریں چراگاہ میں گھاس چرتے
رُکے ایک پل بھی نہ یابو کا جبڑا
اس طرح کرتی ہے کیا میری باتیں
جسے گھر پہ چھوڑا ہے میں نے وہ جُڑوا؟

ایک سو دن اور ایک سو راتیں
میں اکیلا اگرچہ سوتا ہُوں
(حرج گو کچھ نہ ہو) مگر حاجت
مجھے کیا دوسرے کی بیوی کی؟

میں کروں گا نہ آرزو اُس کی
شام کے جُھٹپٹے سے آدھی رات
تک تو سب ٹھیک ٹھاک رہتا ہے
مُرغ کی بانگ پَو پھٹے لیکن
ادبدا کر دلائے نِت احساس
اپنے بسترِ کے سُونے پن کا مجھے!

زندگی، موت اور ماضی و حال
پُتلیاں کھیل کے سٹیج کی ہیں
ٹوٹ جاتی ہیں ڈوریاں جس وقت
دیکھو حالت شکستہ ٹکڑوں کی

آ رہا ہُوں آج رات
تم سے ملنے کو تمہارے خواب میں
کوئی دیکھے گا مجھے کوئی نہ ٹوکے گا مجھے
اپنے دروازے کو لیکن (جانِ من) رکھنا کھُلا!

خم ہو جو چیزیں ہوا کے سامنے
یا تو بالائے صنوبر شاخہائے سر بُلند

بانس کی یا ننھی مُنّی کونپلیں
یا جو دوڑیں سینۂ نیلاب پر وہ کشتیاں
جن کے پھیلے بادباں
یا فرازِ آسماں پر پرفشاں ابرِ رواں
یا سُبُو کی جو کہ ہے کھیتوں میں خنداں، گلفشاں !

جسے گھر پہ چھوڑا ہے اُس نازنینِ دلارام کو
فراموش ہرگز کروں گا نہ میں !

تم آجاؤ شاید
کہ یا میں ہی چل دوں تمہاری طرف، بس
اسی کشمکش میں
میں اپنے کواڑوں کو تالا لگائے بنا
سو گیا !

کیا وہ سوئی ہُوئی ہے گہری نیند ؟
میں نے تکیے سے کان میں پوچھا
تکیہ بولا : دریں چہ شک حضرت !
سو رہی ہے وہ گھوک گہری نیند !

چلتی کشتی میں سے اگر دیکھیں
لگے جیسے پہاڑ ملتے ہیں
کیا ہے اس کی صنوبروں کو خبر؟

لاؤ میرے جہاز تک اپنی
سیپیوں کو بہا کر اے لہرو!
سیپیاں تاکہ بھولنے والی
ان میں سے چھانٹ لوں میں اس کے لیے
کبھی جس سے مجھے محبّت تھی!

جب اک ہزار پرندے بہار میں چہکیں
تو لوٹ آئے جوانی تمام چیزوں کی
اکیلے مجھ پہ ہو طاری خزاں بڑھاپے کی

(سردیاں جاتی ہیں جب اور بہار آتی ہے
سال ہوتا ہے نیا اور مہینہ بھی نیا
آدمی ہوتا ہے لیکن بُوڑھا)

گر مجھے اس کی خبر ہوتی بڑھاپا آئے گا
پھاٹک اپنا بند کر کے اس کو دیتا یہ جواب!

صاحبِ خانہ نہیں گھر پہ جناب !
اور کر دینا اسے ملنے سے یُوں انکار صاف

اس جہانِ آب و گِل میں ہے کسی شے کو ثبات ؟
کل جو دریائے آسوکا میں تھیں وہ گہرائیاں
آج ہیں پایاب سب !

تمام چیزیں نئی بہترین ہوتی ہیں
پہ آدمی وہی اچھّا ہے جو کہ بوڑھا ہو !

اِسْ آس اس امّید و توقّع میں ہمہ وقت
ہوگی مرے خوابوں میں ملاقات ہماری
سب رین کٹی میری پلک جھپکے بِنا ہی !

شاہِ خاور کے غرفۂ مشرق
سے نکلنے سے بس ذرا پہلے
نظر آئے سفید دھاگا جب

○ دشتِ شام (دوسری اشاعت) ص ۲۴

پُوکا، ہے اداس کُن کتنا
ہڑبڑا کر ہمارا اک دم سے
ایک دُوجے کو کپڑے پہنانا!

آہ! اودو کے نرم ساحل پر
ساحلِ اودو پر سرو گا میں
لہریں اُٹھ اُٹھ گریں، کریں چھپ چھپ
میری محبوبہ خوبصورت ہے!
جس طرح سات قیمتی پتّھر
مُوئے سر سے وہ ناخنِ پا تک
مُوئے سر سے وہ ناخنِ پا تک
خوبصورت ہے، خوبصورت ہے!
میری محبوبہ خوبصورت ہے
جس طرح سات قیمتی پتّھر
(ہو میسّر جو گوشۂ خلوت)
آئیں جس دم اکٹھّے تو لیٹیں
جیسے اک جان ایک قالب ہوں
وہ منوہارنی مری کمل نینی
مری سجنی ہے خوش ادا کتنی

جس طرح سات قیمتی پتھّر
سر سے پا تک وہ خوبصورت ہے !

عبث کیا انتظار اُس کا
کیا گھر والوں نے اُس کے ؟
نہیں معلوم آیا وہ
اجل کے دام میں کیسے ؟
خطا کیا اُس کی اپنی تھی ؟
خزاں جب آئے گی لوٹ آؤں گا میں بھی :
کیا اس نے یہ وعدہ اپنی امّاں سے
وہ امّاں اس کی ڈھلکی چھاتیوں والی
سمے بیتا ، گھٹا چاند آج ـــــ
آج آئے گا کل آئے گا یہی کہتے
ہُوئے ، گھر والے اُس کی راہ دیکھیں
اُس کی فرقت کی سہیں کلفت
وہ اس کی یاد میں تڑپیں
وہ اس کے ہجر میں کلپیں
مگر وہ جانے والا اب نہ آئے گا
عبث ہے انتظار اُس کا !

اِدا اُٹا وَحل پہ اے لیٹنے والے!
اگر گھر والے پوچھیں تم کہاں ہو ؟
جواباً کیا کہوں ان سے ؟

ہے یہی رسم و راہِ جہاں
اس کو ماننے بنا کوئی چارہ نہیں
ہم میں یونہی پڑا ہے بجوگ
(قدر میری محبّت کی تم نے بھی آخر نہ کی)
اب بھی کھولوں نہ میں اپنا رختِ سفر ؟
(ہے ابھی میری شوریدہ بختی میں کوئی کسر ؟) !

میں جب اپنی نگارِ سرو قد کو دیکھتا ہوں
یہ خواہش دل میں لے انگڑائیاں میرے
کہ بن کر بیل
سر سے پاؤں تک اس سے لپٹ جاؤں
جکڑ لوں اپنے جُتّے سے بدن کو اس کے سرتاپا
بنیں یکجان و یک قالب

پھر اس کے بعد مجھ کو
چاہے کاٹیں یا تراشیں
کر سکیں گے پر نہ لیکن وہ کس صورت جُدا ہم کو!

ملے گی تمہیں سرمدی زندگانی
ہمیشہ رہو گے تم ان بادلوں کی طرح
اوجھل آنکھوں سے ہرگز جو ہوتے نہیں ہیں!

شاعرات

ملکہِ ایوانو ہیمے
EMPRESS IWANO HIME

(۳۴۷ و)

مرا ذی حسباہ ہوگیا رُخصت
اور لمبی طنابِ وقت ہُوئی
کیا پہاڑوں پہ میں تلاش کروں ؟
بڑھوں آگے برائے استقبال ؟
یا یہیں رہ کے انتظار کروں ؟

نہیں اب تیرے دردِ فرقت سے
زندہ بچنے کی مجھ کو آس نہیں
اب تو پربت کے اک کڑاڑے پر
زیرِ سر جڑ چٹان کی رکھ کر
میں ہمیشہ کی نیند سو جاؤں

ہو بفرضِ محال گر یوں بھی
اپنے مالک کی راہ دیکھوں گی

سرکشانہ ہوا میں لہراتی
اپنی کالی سیاہ زُلفوں پر
صبحگاہی کی برف گرنے تک

دھان کی بالیوں پہ پت جھڑ کے
کھیت میں صبح کی کہر پھیلے
اور ہو جائے پھر الوپ کہیں
ایسے ہی کیا مری محبّت بھی
ماند پڑ سکتی ہے ؟ (خدا نہ کرے) !
اور رنگ اس کا چھُوٹ سکتا ہے ؟

شہزادی سائیمے ای

PRINCESS SAIMEI

(۵۹۴ ——— ۶۶۱)

دیوتاؤں کے دَور سے انساں
رُبعِ مسکوُں میں بستا آیا ہے
کرۂ ارض پر جہاں دیکھو
نظر آتے ہیں حضرتِ انساں
جوق در جوق ، جرگہ در جرگہ
قازِ وحشی کی جس طرح ڈاریں
ہے یونہی آر جار ان کی شور بھری
مگر اک چاہتی ہوُں میں جس کو
یعنی تم — تم یہاں نہیں موجود
سارا دن میں اندھیرا چھانے تک
رات ساری سحر کی سردلی تک
سوچتی ہوُں تمہارے بارے میں
نیند آتی ہے پر نہیں آتی

آج کی یہ دراز شب بھی یونہی
میں نے رو رو کے ہی سحر کی ہے!

تیغِ کہسار کے اُوپر ڈاریں
جنگلوں میں پلی مُرغابیوں کی
شور کرتی ہُوئی پرواز کریں
میں جگر سوختہ، تنہا، ویراں
تم نہیں چونکہ یہاں

دن پہ دن کی دن بدن جمتی ہے تہ

اب بھی کیا مجھ سے محبّت ہے تمہیں؟

شہزادی اوکُو PRINCESS OKU

(۶۶۱ ——— ۷۰۱)

(شہنشاہ تیمُو TEMMU کی بیٹی

شہزادہ اوتسو OTSU کی بہن)

اپنے پیارے بھائی کو واپس یماٹو بھیجنے
میں رہی شب کے اندھیرے میں کھڑی
صبح کی شبنم سے تر ہونے تلک !

○

اکٹھے بھی جاتے ہیں جس وقت ہم دونوں تب بھی
خزاں کے پہاڑوں کو دشوار ہے پار کرنا
اکیلے مگر میرا آقا !
عبور ان کو کیسے کرے گا ؟

شہزادی نوکادا
تا

PRINCESS NUKADA
†

(ساتویں صدی ۔ شہنشاہ تینجی TENJI اور شہنشاہ
تیمو TEMMU دونوں کی منظورِ نظر ــــ
اپنے وقت کی سب سے بڑی شاعرہ ــــ)

بندشِ موسمِ سرما کے بعد
رنگ و بُو لے کے جب آتی ہے بہار
جن پرندوں نے نہیں گایا تھا
اب سرِ شاخِ چمن گاتے ہیں
پھول جو بند تھے وہ کھلتے ہیں

پیڑ پربت کے گھنے ہوتے ہیں
راستہ روکیں تو گزریں کیسے ؟
کیسے پھولوں کو چنیں ؟ کس طرح ان کو توڑیں ؟
اور پھر گھاس کی تہ بھی ہے گھنی
گھنی اتنی کہ دکھائی بھی نہ دیں
ہم کو وہ پھول جنہیں ہم توڑیں

نظر آتے ہیں ہمیں
پتّے اک کوہِ خزاں پر، ہم سُرخ
پتّے چُن لیں۔ کریں تعریف و ستائش ان کی
ہیں جو سبز ان کو لگا رہنے دیں
بھرتے سرد آہیں، تاسّف کرتے
وجہِ حیرت ہے یہی، باعثِ اندوہ یہی
ہے یہی میرے ملولے کا سبب
اس جگہ — کوہِ خزاں میرے لئے!

ہوا بے رُکے آئے نیچے پہاڑوں
پہ آکر جگائے مجھے رات بھر
اور اس کی دلائے مجھے یاد
گھر پر جو ہے میرا رشکِ قمر!

دُور اس کھیت میں گھوڑے پہ سوار
ارغواں پھُول جہاں
گھاس کے سبز نئے پتّوں کی تزئین کریں
پاسباں دیکھ رہا تھا جس وقت
اپنے دامن سے کیا تم نے اشارا مجھ کو

○

میں منتظر رہی تیرے لئے ترستی رہی
چھُوا جو بادِ خزاں ہلا مرا پردہ !

○

شہزادی کاگامی

PRINCESS KAGAMI

(شہزادی نوکادو کی بڑی بہن جسے چھوٹی بہن مات دے کر خود شہنشاہ تینجی کی منظورِ نظر بن گئی ـــــــــ)

سنکی تیرے لئے ہوا سنکی
نفرت انگیز و ناگوار ہوا
اس ہوا کے میں انتظار میں تھی
کب یہ میرے لئے سنکتی ہے ؟
اب مرے دل سے خوُن رِستا ہے !

ملکہ کومیو

EMPRESS KOMYO

(۷۰۱ — ۷۶۰)

کیا مجھے یہ توڑ لینا چاہیئے
ہاتھ میرے پھول کو ناپاک کر دیں گے نہ کیا ؟
میں اسی حالت میں ٹہنی پر لگے
نذر کرتی ہوں اسے
تینوں اقلیموں کے بدّھوں کے حضور !

اگر ہے نام محبّت کا مرگِ بے ہنگام
میں کیوں نہیں مری اب تک، میں کیسے زندہ ہوں ؟
ہزار بار بھی مرنا قبول ہے مجھ کو
وصالِ یار کی قیمت ہو موت بھی تو ہے کم !

لیڈی کاسا

LADY KASA

(آٹھویں صدی)

(یہ تانکے یاکاموچی کے لئے لکھے گئے)

میری بگیا کی گھاس کے اُوپر
ہو کوئی موتی اوس کا جیسے
شام کے مُشک ناب سایوں میں
میں بھی ہو جاؤں گی یُونہی غائب
بھجے چوندیس سانجھ یا نہ بجھے

ریت کے ذرّے ہوں شمار اگر
آٹھ سو دن وسیع ساحل کے
ہوں گے کمتر مری محبّت سے
پاسباں ساحلی جزیرے کے!

بحرِ آئی سے کی بے اماں لہریں
رعد کی طرح گرجیں ساحل پر
تند و مغرور ہے انہی کی طرح
وہ کچلتا ہے جو مرے دل کو

---

٥ تانکا TANKA

دیکھی سوتے میں اک بڑی تلوار
جو حمائل تھی میرے پہلو میں
اس کی تعبیر کیا ہے مطلب کیا ؟
رمز ہے یہ ہمارے ملنے کی ؟

بج چکا رات کا گجر کب کا
یہ اشارا ہے سب کو سونے کا
یاد اس بے وفا کی آتی ہے
جیتے جی اب میں کس طرح سوؤں ؟

عشق کرنا کسی سے بے پاسخ
(عاشقو ہے بعینہٖ ایسے)
کسی بالا حصار معبد میں
پُشتِ ابلیس پر کوئی جیسے
سُبحہ خوانی کرے، دُعا مانگے !

○

لیڈی اوتومو

LADY OTOMO

(آٹھویں صدی)

(۱)

(اپنی بڑی لڑکی کے نام)

ان موتیوں سے بڑھ کر
ان موتیوں سے جن کو
ساگر کے دیوتا نے
رکھّا ہے بند کر کے
صندوقچے میں اپنے
تُم ہو عزیز مجھ کو
تُم میری شاہزادی!
تُم میری پیاری بیٹی!
ہم ساکن اس جہاں کے
جس کی روش یہی ہے
جب مرد نے بلایا
فرمان اس کا مانا
اور چل پڑیں سفر پر

کوشی کی سرزمیں کو
دُور و دراز ہے جو
جی چاہتا ہے نِسدن
اُڑ میں لگاؤں تم کو
جب سے جُدا ہُوئے ہم
اک بیل پھیلے جیسے
وہ سرمہ سا تمہارے
پنسل خمیدہ ابرو
لہروں کی طرح جو ہوں
تیّار سرپٹخنے
کو رات دن ہمیشہ
لہرائیں میرے آگے
ڈولیں کہ جیسے ڈولیں
پانی پہ ننھے ڈونگے
ہے اس قدر تمنّا
ملنے کی تم سے مجھ کو
ڈر ہے یہ جسم میرا
جو وقت سے ہے چھلنی
اس بارِ آرزو سے

دب کر نہ ٹوٹ جائے!

(۲)

نارِنوا کی گیاہ کی صورت
نارِنوا وہ دمکتی لہروں کا
اِس کا مضبوط و گرم پیماں تھا
میں محبّت کروں گا: اُس نے کہا
سال تیز و دبیز جیسے بنیں

اس کو دل دان کر دیا میں نے
الف آئینے کی طرح صیقل
اور اس دن سے آج کے دن تک
متزلزل ہُوا نہ دل میرا
اس گیاہِ سمندری کی طرح
جو کہ لہروں کے ساتھ ہی جھُولے
میں نے یوں اس پہ اعتماد کیا
کروں جیسے بڑے سفینے پر
دیوتا تھے یہ قادرِ مطلق
جو بنے ہیں مفارقت کا سبب؟
آدمی تھا ہماری دُنیا کا
جو ہُوا درمیان میں حائل!

وہ جو آتا تھا بار بار ادھر
اب کبھی بھی اِدھر نہیں آتا

وہ مرصّع کمان قاصد کی
اب کبھی بھی نظر نہیں آتی
گُلِ گلدار کی طرح کالی
رات لمبی ہے کیا کروں لیکن ؟
سُرخ سُورج کے ڈُوب جانے تک
میں کَلپتی ہوں آہیں بھرتی ہوں
دکھ کی نخچیر — غم کی صیدِ زبوں

کوئی رستہ نظر نہیں آتا
(زندگی ہے کہ جیسے بند گلی)
مرد کہتے ہیں سچ ہی کہتے ہیں !
کہ ہے کمزور و ناتواں عورت !

ایک بچے سی سسکیاں بھرتی
ایک ہی راستے پہ نت پھرتی
منتظر ہوں کسی پیامی کی
اس کے بارے میں دے خبر جو مجھے

آنے والا کہاں سے آئے گا
راہ میں گردِ راہ تک بھی نہیں!

اگر وہ ابتدا ہی سے ہمیشہ کے لئے کہہ کر
جما لیتا نہ مجھ پر اعتبار اپنا
مجھے کیوں آج اس رنجِ گراں سے سابقہ پڑتا؟
(شروع سے نہ جتاتے گر اعتبار اپنا
نہ کرتے تذکرہ طول و طویل سالوں کا
تو ایسے دکھ سے میں کیا آج آشنا ہوتی؟)

(۳)

میرے بیرن نے پہنا ہے جو پیراہن وہ پتلا ہے
ہوائے ساحو! اس کے گھر پہنچنے تک
نہ چل وحشت خرامی سے!

(۴)

گرمیوں کی دلدل کی
جھاڑیوں میں اُگتی ہے
جو للئیْ دوشیزہ
مثل اس کے تلخی میں
ہے محبّت انجانی !

(۵)

خوبصورت ہے وہ کتنا دل مرا یہ سوچتے
ایک دریائے تلاطم خیز کی مانند ہے
بند باندھو جس پہ کتنے ہی مگر
توڑ کر ان کو وہ اک جھٹکے سے رہے ہر دم رواں
کف دردہاں !

لیڈی ہیگوری

LADY HEGURI

(آٹھویں صدی)

(نظم کا مخاطب یاکاموچی ہے)

دل ہمارے جو نہی پگھلے
دس سو برس تم معاً بول اُٹھے
تُم نے پکڑا جسے دیکھوں اُس ہاتھ کو
درد باہر ہے برداشت سے!

شہزادی ہیروکاوا

PRINCESS HIROKAWA

(آٹھویں صدی)

ہر کہیں یہ خیال تھا میرا
شیوہ متروک ہے محبّت کا
یہ محبّت کہاں سے آئی ہے
جس نے اپنی گرفت میں لے کر
بے بس اس طرح کر دیا مجھ کو؟

PRINCESS KI شہزادی کی

جو کارو کے تالاب پر تیریں وہ جنگلی بط
بھی پانی کے پودوں پہ سوتے نہیں ہیں اکیلے !

PRINCESS TAMACHI شہزادی تاماچی

کاشکے مجھ میں ہوتی
درِ سنگ کو توڑ سکنے کی طاقت
مگر ایک کمزور عورت ہوں میں
اور اکیلی اسے کھول سکتی نہیں !

LADY ABE لیڈی آبے

ہے دلآویز پہاڑی افسوس !
ننگی اور جھلسی ہوئی گرمی سے
کاشکے میں اسے پہنا سکتی
اپنے چمکیلے لباس !

اونو نو کماچی

ONO NO KOMACHI

(۸۳۴ ——— ۸۸۰)

پڑ گئی ماند چمک پھولوں کی
وہ کہ تھا رنگ اُڑا
رُوپ مٹا
اسی دوران میں جب صرف کیا
میں نے بے کار مشاغل میں بدن کو اپنے
لمبی برکھاؤں میں اس دنیا کی

(اس کی تصویر سے باتیں کرتے)
اس کے افکار میں گمُ
آگئی نیند مجھے
اور آیا وہ میرے سپنوں میں
میں اگر جانتی یہ سُپنا ہے
جاگتی پھر میں بھلا کاہے کو؟

کتنا بے بس ہے مرا دل مجھے یوں لگتا ہے
آب جُو کے اگر اکسانے میں یہ آجائے

تن مرا — جڑ کٹے نرسل کی طرح
دھارے کے رحم و کرم پہ ہوگا !

جب مرا عشق بنے قادرِ کُل
تو اُلٹ دیتی ہوں میں اپنے لباسِ شب کو
گُلِ گلدار کی مانند ہے تاریک جو شب

رات بے چاند کی ہے
اس سے ملنے کی کوئی راہ نہیں
شوق اُٹھاتا ہے مجھے ، اُٹھتی ہُوں
کُوٹے سینے کو کوئی ، ایک لپکتا شعلہ
دل مرا خاک ہُوا آگ میں اپنی جل کر

اک ° چیز جو اس بزمِ رواں میں
مرجھائے علامت بھی کسی کو
اس کی نہ بظاہر نظر آئے
وہ پھُول ہے انسان کے دل کا
(غیر مرئی رنگ اس دنیا میں جو پڑ جائے ماند
وہ دِل انسان کے پھولوں کا ہے)

° دشتِ شام (طبع دوم) ص : ۱۹۶

لیڈی اِیسے LADY ISE

(دسویں صدی)

(شہنشاہ اُدا کی محبوبہ پھر ملکہ)

کھیت سمجھوں گر اپنے جسم کو میں
جس کو کملا دیا ہے پالے نے
ہوں اگرچہ میں سوختہ پھر بھی
کیا یہ اُمّید پال سکتی ہوں
کہ دوبارہ بہار آئے گی؟

اب تو خوابوں میں بھی ملنے کا نہ امکان رہا
میرا آئینہ دکھاتا ہے مجھے
صبح کے وقت روزانہ ہی اک اُترا چہرا
(ناخنِ وقت نے ڈالے ہیں نہتّے جس پر
جس پہ انگشتِ حوادث نے کیا ہے اُتّو)
سر ندامت سے نگوں ہو میرا
اور آئینے سے آنکھیں اُچٹیں!

شکیبُو SHIKIBU

(دسویں صدی)

اب نکل کر تیرگی سے لازماً
اک اندھیرے راستے پر پاؤں دھرنا ہے مجھے
دُور سے مجھ پر چمک
چاند اے کنارِ کوہ کے !

(شعرِ مرگ)

لیڈی امون

LADY EMON

(گیارھویں صدی)

مجھے انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا
رات کو گزرتے اور سست رو چاند کو
ڈوبتے ہوئے دیکھنے سے
کہیں بہتر تھا
کہ میں سو جاتی اور خواب دیکھتی!

والدہ گیدو سانجی

MOTHER OF GIDO SANJI

(بارھویں صدی)

کبھی نہ بھولنے کا عہد ہے بہت دشوار
نہیں ہے عمر بھر اس کا نباہنا آساں
ہو کاش آج ہی حد اور دم نکل جائے

شہزادی شِیکی شی

PRINCESS SHIKISHI

(۱۲۰۱ء)

شگوفے گر چکے
اس رنگ سے محروم دنیا میں
میں بیٹھی گھورتی ہوں خالی نظروں سے
کفِ دستِ فلک میں
گر رہی ہیں بارشیں
نوروز کی رُت کی !

خالی وعدوں میں کٹا جو ماضی
اس کے ایّام کو جس وقت میں دُہراتی ہُوں
کیا گزرتی ہے مرے دل پر مت پُوچھ
ڈھلیں پت جھڑ میں بہاریں کتنی
ساتھ غنچوں کے پچھاڑیں کھاتی !

○

لیڈی سانوکی LADY SANUKI

(تیرھویں صدی)

مرے لباس کا دامن ہے ہو بہو ایسے
کوئی چٹان ہو جیسے کھلے سمندر میں
کسی نے اس کا سنا ہو نہ اس کو دیکھا ہو
اگرچہ لہر ہو اُتری ہوئی مگر پھر بھی
نہ خشک ہو وہ کبھی ایک لمحے کے لئے بھی!

شہزادی شوکو PRINCESS SHOKU

(پندرھویں صدی)

ابھی ٹوٹ جائے سرِ رشتۂ زندگی
آرزو ہے مری
تاکہ پیمانِ مخفی مرا
ہو نہ لفظ آشنا!

گمنام

زینہ

زینہ جو آسماں کو جاتا ہے
کاشکے یہ طویل تر ہوتا
جو پہاڑی کہ ہے بلند ترین
کاشکے یہ بلند تر ہوتی
تاکہ گردوں پہ جا کے لے آتی
چاند ماں دیوتا کے پاس سے میں
رات کو جو ظہور کرتا ہے
جاودانی شباب کا جرعہ
جسے پی کر حبیبِ جاں میرا
پھر سے تازہ بہار ہو جاتا
وہ کہ ہے جو عزیز تر مجھ کو
رات کے چاند، دن کے سورج سے
دن بدن اس کا مضمحل ہونا
ڈھلنا اس کے قوا کا روز بروز
(کیا یہی زیست کی کمائی ہے؟

صلۂ شوقِ نارسائی ہے ؟
اے زمیں ! اے فلک ! دُہائی ہے !)

اوہ کتنا بے حس و بے مہر ہے میرا میاں
مجھ سے نفرت ہے اسے ، اتنا وہ کہہ دیتا اگر
میرا ساتھ اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہے
آنے لگتی غالباً اس سے کراہت پھر مجھے
وہ اُتر جاتا مرے دل سے ہمیشہ کے لئے
اوہ یہ بندھن ، یہ طوقِ بے اماں ماں باپ کا !
کیسے گردن سے نکالے ؟ کس طرح توڑے اسے ؟

یہ مہینہ مئی کا اس میں بھی
ایک بچّہ جو چھاتیاں چُوسے
ایک دو بار دُودھ دوں گی اسے
پھر کروں گی تھکی کمر سیدھی

مرا میاں گر فقیر ہوتا
میں کس قدر خوش نصیب ہوتی
کسی کو مجھ پہ نہ رشک آتا
نہ کوئی میری رقیب ہوتی

لوری

سو جا بچّے سو جا
مدھر دُلارے سو جا!
میرے پیارے سو جا!
دل کی ٹھنڈک آنکھ کے تارے سو جا!
لفظوں میں ایسی مٹھاس کہاں جو تجھ میں ہے
کیسے بتلاؤ گے؟
میرا بچّہ مدھر ہے کتنا، کتنا میٹھا ہے!
"سرب سلونا، سب گُن نیکا
وا بِن سب جگ لاگے پھیکا"
کون ہے اس سے ادِھک رسیلا؟
ہر پربت کے پیڑوں سے بڑھ کر
گھاس کے سارے تنکوں سے بڑھ کر
آکاش کے سب تاروں سے بڑھ کر
کھیت میں دھان کے پودوں سے بڑھ کر
یہ انگ لگا بچّہ
(جسم ہے جس کا کچّا
جس کے مُکھ کا سونا سچّا)

مدھر ہے بڑھ کر، بڑھ کر میٹھا
ان ساروں سے، ان چاروں سے!

ایسی یخ رات میں
جب چلے زمہریری ہوا
کیا اکیلا ہی سوتا ہے شوہر مرا؟

اپنے گیسوئے پیچاں
میں نہیں تراشوں گی
اے مرے عزیز از جان!
ہاتھ نے چھُوا تیرے
تکیہ کی طرح ان کو!

دن خاموش
ذکر و فکر میں گزار کر
شام کی عبادت کے سنکھ کی آواز
سُنتے ہی مجھے تمہاری یاد آئی
میرے آقا!

بند ہے راہ، کیسے ہو دیدار دلدار کا؟
کیا سروگا میں فوجی کی جو لمبی چوٹی ہے
اس کی طرح
میں بھی جلتی رہوں گی سدا؟

مجھ پہ تھا جب شباب کا عالم°
ہاتھ پڑتے تھے میرے دامن پہ
بیٹیاں بیٹے، پوتیاں، پوتے
اب پکڑتے ہیں میرے ہاتھوں کو!

جب بھی چھپائیں اس کو یہ چاہت عذاب ہو
اس چاند کی طرح اسے کردیں نہ کیوں عیاں
پربت کی جو گگر سے نمایاں ہو ناگہاں؟

میں دھان کوٹتی ہوں
ہاتھ اس سے پھٹ گئے ہیں
اور آج رات میرا
نوخیز شاہزادہ
ان کو پکڑ کے آہیں
افسوس کی بھرے گا!

° جب مرا عالمِ جوانی تھا

چاند ہر بار جب اُبھرتا ہے
از سرِ نوجوان ہوتا ہے
کیا بنے گا مرے بدن کا کہ جو
سال خوردہ ہے ، سن رسیدہ ہے ؟

تھا اک بیج جو نکہ وہاں ، ان
اُجاڑ اور اُستر چٹانوں پہ بھی اک
صنوبر اُگ آیا

اپنے عاشق سے عشق ہو ہم کو
(تو تہِ چرخِ نیلگوں ہم کو)
کون ملنے سے روک سکتا ہے ؟

گرچہ مجھ کو یقین ہے اس کا
کہ وہ ناآشنا نہ آئے گا
شام کی روشنی میں لیکن میں
جبکہ تیزی سے بڑھیں ٹیڑیاں
جاؤں در تک اور اس کی باٹ تکوں !

سپنو! سنو میرے سپنو!
مجھ کو ملاؤ نہ اس سے
جس سے محبّت ہے مجھ کو
کیونکہ اداسی کا اپنی
بیدار ہونے پہ ہوگا
احساس مجھ کو زیادہ

یہ دنیا کیا ہمیشہ سے یونہی اندوہگیں ہے
کہ یا میرے لئے تنہا یہ ایسی بن گئی ہے؟

گانے سے بُلبل
ہوتی ہے دبلی
میں لیکن اس کی
رہ تکتے جس سے
ہے موہ مجھ کو
دبلا گئی ہُوں!

آہ و نالہ بند ہو جب بھی مرا
از سرِ نو عود کر آئے — سدا

غم ترا ـــــ آہیں بھروں
تیری فرقت میں مَیں
ایک کوئل کی طـــرح

آج بھی کیا مجھے سونا ہو گا
اپنی اس تنگ چٹائی پہ تنِ تنہا ہی
ہو گی اس شخص سے کیا اب نہ ملاقات مری
جس پہ لہلوٹ ہُوں میں
پڑی دن رات اُڑیکول جس کو
جو سمایا ہے مری نَس نَس میں ؟

کُوکُو ا ۵

ہم ملائیں اشک اپنے
تاکہ نکلے بس ایک ہی سسکی
اس جہانِ خراب میں مجھے بھی
نہیں اس کے علاوہ کام کوئی

---

۵ حدیثِ خواب ۔ ص ۔ ۱۹

محل کو جاتی ہوئی سڑک پر
محل کہ پھیلی ہے دھوپ، جس پر
ہجومِ مرداں رواں دواں ہے
مجھے مگر کامنا ہے جس کی
وہ ایک ہے صرف ایک تنہا!

زور سے اک شخص نے جب رات کو آواز دی
رہنے والا تھا جیا کے شہر کا
نام اپنا میں نے بتلایا اسے!
"اپنی بیوی کی طرح مجھ پہ کرو تم اعتماد!"

گھر اندر جھلملیوں کی جھریوں سے گزر کر تو مرے پاس آ
اگر پوچھے گی کچھ مجھ سے مری اماں —
مری اماں جھکی ڈھلکی لٹکتی چھاتیوں والی
کہوں گی میں! ہوا تھی یہ!

کوئی کیسے جانے کہ سچی محبت کو ہے پائیداری؟
مرے الجھے بالوں کی مانند ہیں آج میرے خیالات
گڈمڈ!

وہ ریشم ہوتا اگر
اسے اپنے بازوؤں پر لپیٹ لیتی
لباس ہوتا اگر
بدن سے اُتارتی میں کبھی نہ اس کو
اسے کہ جس سے ہے پیار مجھ کو
اسے کہ جس پہ نثار ہوں میں
اسے مری چشمِ دل نے دیکھا
گزشتہ شب جب میں سو رہی تھی!

محبت اپنی تم کو سونپتی ہوں
ہے میرے دل میں اس قول و قسم کی جڑ بہت گہری ہے
نہایت دُور کے جیسے پہاڑی سلسلے کے
صحرا کے دامن کی ہنگلا ہو!

○

مکالماتی نظمیں

(۱)

"میں نے خود بند کیا تھا پھاٹک
اور دروازہ مقفّل، بولو!
تم مرے خواب میں آنے کے لیے
مرے دلدار کدھر سے آئے؟ "

"بند تھا گرچہ تمہارا پھاٹک
اور دروازہ مقفّل پھر بھی
دستِ رہزن نے بنایا جو شگاف اس میں سے
تم سے ملنے کے لیے خواب میں آیا ہوں گا "

(۲)

"کچھ اور دیر کڑکتی رہے اگر بجلی
ہو آسمان گھٹا ٹوپ اور مینہ برسے
رُکی رہو گی مرے پاس پھر تو تم جُوں تُوں "

"نہ بھی کڑکتی ہو بجلی اگر سر گردوں
برس رہا ہو نہ مینہ، تم اگر کہو مجھ سے
تمہارے پاس ٹھہر جاؤں گی مرے مجنوں! "

(۳)

"ہے آمدِ آمدِ دلبر کا انتظار مجھے
سیاہ ہوتے ہیں کچھ اور رات کے سائے
نوائے مرغِ سحر سے بوقتِ رخصتِ یار
زیادہ غم زدہ ہے رات کے گجر کی پکار "

"جب کبھی ہوتا ہے انتظار کسی کا
رات گذرنے کے ساتھ چوٹ گجر کی
ہم سے کراتی ہے جو ستارہ شماری
ہوتی ہے گو اس کی ایک ایک گھڑی بھاری
پھر بھی بم و زیر بانگِ مرغِ سحر کا
لائے ہمارے لیے جو حکمِ جدائی
باعثِ آزردہ خاطری ہے زیادہ ! "

(ناری ہیرا)

(۴)

"کیا یہ تم تھے جو مرے پاس آئے
یا کہ میں تھی جو گئی تھی تم تک
مجھے معلوم نہیں
یہ حقیقت تھی کہ خواب
وقت تھا نیند کہ بیداری کا ؟ "

"ایک سُن دل کے میں اندھیارے میں
راستہ بھُول گیا
یہ حقیقت تھی کہ خواب
تصفیہ آؤ کریں آج کی رات"

(— ناری ہیرا)

(۵)

"میں نے دیکھا نہ ہو اسے یہ نہیں
میں نے دیکھا مگر اُچٹتا سا
بھڑکے رُوں رُوں میں آنچ خواہش کی
میں کروں گا طویل دن یہ بسر
بے ثمر باد پا خیالوں میں"

(ناری ہیرا)

"جاننا یا نہ جاننا، لیکن
اس فضول امتیاز کی حاجت؟
یہ دلوں کی سلگتی آگ ہی کیا
نہیں روشن نشاں محبّت کا؟"

(۶)

"مرے دل کو کرے شکستہ یہ بات
مجھ سے ملنے کی آس میں ہر رات
مرے کوچے کا وہ کرے پھیرا
نہیں احساس قطعاً اس کو کہ ہیں
کتنے مایُوس کُن مرے حالات!"

"مجھے معلوم ہے کہ ہے بے سُود
رات پڑتے ہی روز یہ میری
آمد و رفت اس کے کُوچے میں
دل کے ہاتھوں مگر میں بے بس ہُوں
میں جہاں ہُوں وہاں زیاں ہے نہ سُود
اس سے ملنے کی آرزو مجھ کو
کھینچے پھرتی ہے کُوے و برزن میں"

(ناری ہیرا)

(۷)

شاہ بانو : دھیان میری طرف کرو، دیکھو
میری آنکھوں میں تیرتے آنسو
اتنے موٹے کہ پونچھنا مشکل
یہ گرے تار ہائے بربط پر
میں نے مٹّی کی ایک موٹی تہ
ان پہ جبس دم جمی ہُوئی دیکھی

(جلاوطن) شہنشاہ گو دائی گو : GYODAI

(۱۲۸۸—۱۳۳۹)

خامشی کے کئی مہینوں کے بعد
ساز چھیڑا ملائے سُر میں نے
جب، مجھے تب تمہاری یاد آئی
اور سُر تار بن گئے ایسے
اپنے آنسو پروسکوں جن میں

(۸)

" اپنے پیتم کے اگر آنے کی ہوتی مجھ کو پہلے سے خبر
اپنے خانہ باغ کو جس میں ہے جنگل کا سماں
موتیوں سے میں بناتی رشکِ چارم آسماں "

" ہے مرے کس کام کا موتی جڑا سونا مکاں
ہو تمہارا ساتھ تو وہ جھونپڑی بھی جانِ جاں!
جو چھپی ہو جنگلی گھاسوں میں کافی ہے مجھے! "

(۹)

شہزادہ اوتسو PRINCE OTSU : (جسے ۶۸۷ میں ایک سازش کی ناکامی کے بعد سزائے موت سے دوچار ہونا پڑا ۔)
(۶۶۳ — ۶۸۷)

فراخ شانہ پہاڑی سے گرتی شبنم میں
ترے خیال میں محو، انتظار میں تیرے
کھڑا، پہاڑی کی اس اوس میں، میں بھیگ گیا

لیڈی ایشی کاوا :

مرے خیال میں محو، انتظار میں میرے
کھڑا تو بھیگ گیا، ہے قلق مجھے اس کا
فراخ شانہ پہاڑی سے گرتی وہ شبنم
ترے بدن کو چھُوا جس نے کاش میں ہوتی !

(۱۰)

بیوی : سمیٹے اپنے پر و بال کو، جو کھاڑی ہے
خلیج موکو کی اس میں رہے جو مُرغابی
بچھڑ کے تم سے میں مر جاؤں گی وچھوڑے سے
نہ زندہ چھوڑے گا فرقت میں سوزِ عشق مجھے

شوہر : مرے بلند سفینے پہ چڑھ سکو تم اگر
کہ اہلیہ ہو رفیقِ حیات ہو میری
تمہارے جسم پہ پھیلا کے بال و پر اپنے
تمہیں سمیٹ کے ان میں، اُٹھا دُوں میں لنگر

بیوی : جب تم اپنے سفر کے اثنا میں
کسی ساحل پہ رات کو سو وو
جب سمندر کی دُھند لہرائے
تو سمجھ لو یہ سانس ہے میری
سرد، تنہا، اُداس آہوں کی

شوہر : رُت خزاں کی یہاں جب آئے گی
اس سمے ہوگا پھر ملن اپنا
اس طرح کیوں تم آہیں بھرتی ہو
سانس دُھندار دھند جس سے بنے ؟

بیوی : اے شراگی کے مسافر سُننا !
تیری آنکھوں کے دگر بار نظارے کے لیے
آج کل راہ تکوں گی میں برت رکھوں گی

شوہر : مجھے معلوم نہ تھا بھاٹے تک°
ابھی رکنا ہے سفینے کو مرے
کتنا افسوس ہے مجھ کو اس سے
اس قدر جلد بدا ہونے کا !

° تھا نہ یہ علم کہ مد آنے تک

سرحدی محافظوں کی نظمیں

(۱)

"بھول جاؤں گا اس کو" میں نے کہا :
کمر و کوہ پر سفر کرتے
اب بتاتا ہوں اے مرے ماں باپ !
کہ میں اس کو بھلا نہیں سکتا !

(۲)

یہاں گھر پہ رک کر ترسنا تمہارے لیے
نہیں ! کاشکے
تمہاری کمر میں حمائل میں تلوار ہوتا
جو کرتی تمہارے بدن کی حفاظت !

(۳)

سرد کہریلی رات میں جس وقت
سرسراتے ہیں بانس کے پتّے
سات پرتوں کا پیرہن بھی مرا
اس قدر گرم اتنا نرم نہ ہو
جس قدر جسم میری بیوی کا

(۴)

مری بیوی، اسے مجھ سے ہے محبّت کتنی!
کوزۂ آب میں پرتو اس کا
میں کبھی اس کو فراموش نہیں کر سکتا!

سَین رِیُو

SENRYU

ایڈو کا سین ریُو ۱۷۱۸ — ۱۷۹۰ اس صنف کا موجد تھا۔ ہائیکُو پر موسمی الفاظ وغیرہ کی جو پابندیاں تھیں ان سے آزاد ہو کر یہ مختصر نظمیں عام بول چال کی زبان میں انسانی جذبوں اور کمزوریوں کو ہجویہ و طنزیہ انداز میں پیش کرتی ہیں

مری موجودہ ماں ہے
یوشواڑے[1] کی
وہ کہتا ہے

کر کے گالم گلوچ جُرواسے
اٹھ کے چاول پکانے لگتا ہے

"سُنا تم نے اسے"؟ یہ پوچھنے پر
"تم نے کیا کھالیا اسے"؟ بولے

ایک ہی آنکھ گو اس کی ہے
ہے مگر خوبصورت
وچولن کہے

اک ٹانکے کا چھڑا[2]
کرے سو بار شکریہ

---

[1] یوشیواڑہ : ایڈو EDO میں ایک لال بتی کا ضلع (ریڈ لائٹ ڈسٹرکٹ)
[2] کنوارا

دُلہا میاں کی بُری عادتوں سے
واقف ہو چھوٹی بہن سب سے پہلے

پتّر کنواری کا جیسے لکھّا ہو
ننھی سنسکرت حرفوں میں

وہ برجوگ کنیّا
وچولن سے آہستگی سے کہے :
لگاؤ ابھی اس میں دن چار پانچ !

منہ سے اک لفظ تک نکالے بنا
بنے بیوی مکان کی مالک

سارے گاؤں میں
صرف اکیلے میاں کو
اس کا علم نہیں

جب بھی اپنی بلند چیخوں سے
آسماں سر پہ وہ اُٹھاتی ہے
خصم ہتھیار ڈال دیتا ہے

بنے سنورے اگر ہوں بیوہ کے بال
اس کی بابت کہانیاں پھیلیں°

دروازہ کھولتے :
اوہ ! اوہ ! اوہ !
برف کی صبح

طوائف بھی
ہو جب مندا
بدل لیتی ہے نام اپنا

وہ کمر بند باندھے جب اپنا
وہ بتِ دلربا ، دریں اثنا
اس کے پہلو میں انتظار کرے
وہ ہتھیلی پہ گال اپنے دھرے

کریں تصویروں سے اندازہ اگر
تو لگے گوشۂ دوزخ ہی زیادہ دل چسپ

° لوگ کیا کیا بناتے ہیں باتیں

خط اک مرد کا
جس کی پروا زیادہ وہ کرتی نہیں
اپنی ماں کو دکھاتی ہُوئی

بیٹی اپنا جو کمر بند کسے
تنگ کو تنگ کرے
بیکلی ماں کی گھٹے

جواں سپاہی
ہر ایک اتوار درس لیتا
ہے زندگی کی حقیقتوں کا!

بائیں کو، بائیں کو
داہنا ہاتھ اپنا
سپاہی ہلا کر کہے!

پولیس مین کی باہوں میں گمشدہ بچّہ
کرے مٹھائی کی دکّان کی طرف انگلی

باپ بننے کے بعد آئے اسے
نام سارے مقامی کتّوں کے

اندر نہ جاتے صرف باہر ہی سے
قیمت پوچھتے
بارش سے بچنے کے لیے

فعل کے دوران پکڑا جانے پر
چوری کے گھوڑے پہ چڑھ کر مردوا
ہوگیا فوراً ہوا !

اب جب کہ وہ اک لختِ جگر کر چکی پیدا
اب اس کا پیانو بھی تو تسکیں نہیں دیتا

محبّت میں ہار کے
جواب اس کے پاؤں دیں
کہ سُوجے شراب سے

عہدِ جدید

۱۸۶۸ء کے بعد سے

شہنشاہ مے ای جی

EMPEROR MEIJI

۱۸۵۲ —— ۱۹۱۲

اس کا دورِ حکومت ۱۸۶۸ — ۱۹۱۲ء تک تھا۔
مشہور ہے کہ اپنی زندگی میں اُس نے ایک سو ہزار تانکے تصنیف کئے۔

جب کبھی دیکھتا ہُوں
میں تحریریں ماضی کی
تو سوچتا ہُوں
کہ کس حال میں ہے رعایا مری؟

شیمازاکی توسن
SHIMAZAKI TOSON

(۱۸۷۲ — ۱۹۴۳)

ایک ناریل

دُور کے ایک بے نام ٹاپو
سے آتا ہے بہتا ہُوا ناریل
تُو نے لہروں پہ کاٹے ہیں کتنے مہینے، بتا!
اپنے آبائی ساحل سے لنگر اُٹھانے کے بعد
کیا پُرانے شجر اُگ رہے ہیں ابھی ؟
سایہ دار ان کی شاخیں ہیں پہلے کی مانند کیا ؟
اپنے سر کا بنا کر سرہانا کنارے کو میں
نیند بے گھر کے تنہا مسافر کی سوتا ہُوں، پر
میری چھاتی سے چمٹی نشانی کا بارِ گراں
لائے واپس اک آوارہ و بے خانماں کے غموں کو
سمندر میں سُورج کے غرقاب ہونے کا منظر
دلاتا ہے اس غیر دھرتی پہ یاد آنسوؤں کی مجھے
بیکراں لہر کو دیکھ کر
پوچھتا ہوں: کبھی مجھ کو گھر میرے لے جائے گی ؟

دریائے چکومہ پر سفر کا نغمہ

کل پھر اسی طرح تھا
اور آج بھی دوبارہ
ہوگا اسی طرح ہی
اس زندگی میں ہم کیوں
کُڑھتے ہیں اس طرح ؟ کیوں
کرتے ہیں غل غپاڑہ
اور آنے والے کل کا
رہتا ہے کیوں ہمیشہ
یُوں اضطراب ہم کو ؟
پہنچے گیا ہُوں اکثر
وادی میں ، خواب جس میں
افزائش و کمی کا
گویا کہ رم رہا ہے
اور اس میں ٹھٹکی ٹھٹکی
دریا کی لہریں دیکھیں

چکرّ سا کھاتے پلٹے
پانی ہے ریت جس میں
وہ قلعۂ قدیمی
کیا بولتا ہے ؟ سن سن !
کہتے ہیں کیا جواباً
ساحل کے پھر ملو رے ؟
جو یُگ گزر چکا ہے
چپ چاپ اس پہ سوچو
سو سال مثل کل کے
ہوتے ہیں بیدِ مجنوں
مدّھم چکومہ جُو کے
اک چھلچھلا سا چشمہ
وہ لہریں لیتا پانی
میں درمیاں چٹانوں
کے گھومتا ہُوں تنہا
افکارِ اِس کنارے
سے باندھے اپنے سارے !

یاساو آکیدا
YASAO AKEDA

پہچان

کبھی دیکھا نہیں میں نے طلوعِ ماہ کا منظر
میں اک کمرے میں چونکہ بند رہتا ہوں
کبھی دیکھا نہیں میں نے طلوعِ مہر کا منظر
کہ تہ خانے میں بود و باش ہے میری
کبھی دیکھا نہیں میں نے کھُلے آکاش کو چونکہ
میں چلتا ہوں جھکے سر سے
مجھے چونکہ کسی کا خط نہیں آتا
کسی کے حال سے بھی میں نہیں آگاہ
گلوں پر لڑکیوں کا ہو مجھے دھوکا تو حیرت کیا
میں نابینا ہوں
لیکن باوجود ان ساری باتوں کے میں زندہ ہوں
زمیں کی باس کی، موجِ ہوائے سرد کی
پہچان ہے مجھ کو!

○

سُوئی مے ای کاواای
SUIMEI KAWAI

(پ، ۱۸۷۴)

پیچھے چھوڑی ہُوئی چیزیں

میں اپنے دوستوں کے چہرے بھُولوں
سمندر بھُولے اپنی مچھلیوں کو
میں بھولوں عشق اپنا اور بھُولے
بہاراں اپنی چیری کے شگوفے
میں اپنے وقت کی رفتار بھُولوں
بھلائے پانی اپنی کشتیوں کو
میں اپنا ذوقِ لحن و شعر بھُولوں
نجومِ چرخ کو اک شہر بھُولے
میں اپنے تن بدن کو بھُولتا ہوں
اور اک عورت کو بھُولے ذہن اپنا
میں کرتا ہوں فراموش اپنے سپنے
فراموش اپنے محور کو کرے چاند
میں اپنی زندگی کو بھُولتا ہوں

بھلائے اپنے بندے کو خداوند
کروں دُنیا جہاں کو میں فراموش
بھلائے بحرِ اعظم کو سمندر!

یوسانو آکیکو YOSANO AKIKO

(۱۸۷۸ — ۱۹۴۲)

(شاعرہ)

تم کبھی چھُوتے نہیں یہ نرم جلد
مارتا ہے جس میں لہریں گرم خوُن
"مارگ" کی تفسیر کرتے
کیا تمہیں ہوتا نہیں احساسِ تنہائی کبھی ؟

فصلِ گُل ہے مختصر حیران ہوُں
جانے کیوں کہتے ہیں لافانی اسے
غالباً یہ بھی ہے موسم کا فسوں !

تن کسے بخشوں میں اپنا، چھاتیاں ابلیں مری
اپنے ہاتھوں سے ٹٹولوں اپنی اُبھری گات کو
ہو کسی پہلو تو بیکل کو سکوں !

٥

یاماموُرا بوچو YAMAMURA BOCHO

(۱۹۲۴ — ۱۸۸۴)

ایک نام کارڈ

کون آیا تھا مجھ سے ملنے کو ؟
کیا ہوا کا یہ کوئی جھونکا تھا ؟
غیر موجودگی میں میری کوئی
پتّے کا نام کارڈ چھوڑ گیا
پتّہ یہ ایکش کے درخت کا ہے
نظر آتا ہے اس نواح میں جو
بھولے بھٹکے سے شاذونادر ہی !

ایک دریا بہار کا

کناروں تک بھرا
یہ بہ رہا ہے یا نہیں
دریا بہاراں کا ؟

فقط ہلکی سی جنبش اس پہ بہتے
ایک تنکے کی
بتاتی ہے
یہ بہتا ہے

ایک دُعا

ایک مچھلی پکڑنے کا کانٹا
نیچے آکاشس سے لٹکتا ہے
جادوئی ماہیانِ زرّیں پر
محض تنہائی سے دل آزردہ
محض تنہائی سے دل آزردہ
نگلیں اس خوفناک کانٹے کو!

○

بوکُوسُوای
BOKUSUI

(۱۸۸۵ — ۱۹۲۸)

پہاڑی ہے سوئی ہُوئی
پاؤں میں اس کے
سویا ہُوا ہے سمندر
بہار اُجڑی پچُھڑی
مگر میں ہوں گرمِ سفر!

○

ایشی کاوا تاکوبوکو ISHIKAWA TAKUBOKU

(۱۹۱۲-۱۸۸۵)

مُکّا

مجھ سے میرا امیر تر ہمدم
جب ترحّم سے پیش آتا ہے
دوست مضبوط تر مرا، مری جب
کھلے بندوں ہنسی اُڑاتا ہے
بند مُٹھی کو اپنے مُکّے کو
میں فضا میں بلند کرتا ہوں
بے غضبناک دل سے ہوتی ہے
(مجھ غضبناک کی)، مگر مڈبھیڑ
خشمگیں دل کے ایک کونے میں
ایک مجرم کی طرح چپ بیٹھا
دونوں آنکھوں کو اپنی جھپکاتا
آہ وہ بے بسی وہ مسکینی!
آہ وہ بے بسی وہ مسکینی!
اپنے مُکّے سے کس کو مارو گے؟

خود تمہیں بھی خبر نہیں شاید
اپنے کو اپنے دوست و ہمدم
پاس کے بے خطا ستون کو پایا ؟

ایک بُوڑھا آدمی

ایک تاریک و سرد کونے میں
ایک چھوٹا سا بند کمرہ ہے
جس میں اک پیر مرد بیٹھا ہے
نظر آئیں دھنسی ہُوئی آنکھیں
اس کے زرد استخوانی چہرے پر
وہ بنا رات کے بنا دن کے
راتا ماتا ہے بے حس و حرکت
اس کی مدھم دبی ہُوئی کھانسی
تھکی ماندی ہے ناتواں سی ہے
چونک کر وہ کبھی کبھی یک دم
آپ ہی آپ بڑبڑاتا ہے
چہرے پر سرد مسکراہٹ ہے

اور مرمر چپڑ چپڑ کرتا
وہ چباتا ہے ٹکڑا ہڈّی کا
اور مرمر چپڑ چپڑ کرتا
وہ چباتا ہے ٹکڑا ہڈّی کا
ہے یہ ٹکڑا سفید ہڈّی کا
ہڈّی اس اوّلین محبّت کی
جو بہت سال پہلے اس نے کی
سینہ اُس کا مزار ہے جس کا
بعد میں کوئی چیز گنتا ہے
کانپتی کپکپاتی انگلیوں پہ
ہو گئے بعد میں جو اس کے خلاف ؟
کیا یہ گنتی ہے اس کے دوستوں کی

یا یہ یادیں ہیں ان حسینوں کی
جن سے الفت کے عہد و پیماں تھے
جو روادارِ لمسِ دست کے صرف
ہوئے رخصت کا جب سمے آیا؟
یا یہ ان فرسخوں کی گنتی ہے
اس کے گھر کی تباہیں جو دوری
گھر کہ جس سے وہ بھاگ نکلا تھا؟
بعد کچھ دیر کے وہ کہتا ہے
اور مجھ سے سوال کرتا ہے؟
آسماں کی طرف اُٹھا نظریں
اور بتلا مجھے وہاں کیا ہے؟
"کچھ نہیں" میں جواب دیتا ہوں
"کچھ نہیں آسماں پہ کچھ بھی نہیں"
"ٹھیک کہتے ہو تم یہ خالی ہے
اِک کفِ دست کی طرح خالی"
اتنا کہہ کے وہ مُسکراتا ہے!

○

رونے سے تو بہتر ہے

خواب میں اس سے ملاقات ہوئی
کونسا سال تھا یہ ؟
کونسی رات تھی یہ ؟
کچھ مجھے یاد نہیں
ہو چکی ہوگی وہ مرگھپ کے کبھی کی اب تو
داخلِ دارِ فنا !
تیل سے چپڑے ہوئے موئے سیاہ
پشمِ خرگوش کی مانند سفید
نزع کا کرب ہو طاری جس پہ
پاؤڈر گالوں پہ اس کے گہرا
لپ سٹک ایک لہو رنگ تھپا تھا منہ پہ
اور اک لڑکیوں کے جھرمٹ میں
گاتی تھی ایک کے بعد ایک رذالی گانے
ساتھ بجتی تھی خوش آہنگ ستار°
پیتی پانی کی طرح تند شراب

° تار بلبخو کے ہم آہنگ تھے آواز کے ساتھ

دوسرا جس کو پیئے گر تو جلا بیٹھے زبان
اور پہلو میں کوئی بیس برس کے لونڈے
جام و صہبا سے بھی پرہیز جنہیں
"ایسے کیوں گاتی ہو؟" میں نے پُوچھا
خواب میں، اور دیا اُس نے جواب
°تمتماہٹ بھری مخمور ہنسی اک ہنس کر!
"یہ مگر رونے سے تو بہتر ہے!"

کنارِ دریا
وہ سبز تازہ سبک لچکدار بیدِ مجنوں
لگے کہ جیسے وہ کہہ رہی ہو:
مرے لیے رو!

° نیم مخمور تبسم سے: دلآرام مرے!

کِیتاہاراہاکوشو
KITAHARA HAKUSHU

(۱۸۸۵ — ۱۹۴۲)

کیا میں تنہا ہی اے (مرے سانسو)!
پار کرتا ہُوں بید کے بن کو؟
راستہ تنگ بھی ہے ویراں بھی
میں نے رفتار تیز تر کر دی

لارچ کے بن میں برکھا برسے
سُونی برکھا، چپ چپ برکھا
بس تنہا کُوکُو پکارے
بس تنہا بیدیں ٹپکیں

مُوشانوکوجی سانے آتسو
MUSHANOKOJI SANEATSU

(پ، ۱۸۸۵)

تنہائی

دل میں در آئے مرے تنہائی
کروں کتنی ہی بھگانے کی اسے کوشش میں
یہ مرے پالتو کُتّے کی طرح
اُلٹے قدموں ہی پلٹ آتی ہے
کروں جتنی بھی بھگانے کی اسے کوشش میں

میکی روفوُ

MIKI ROFU

(پ ۱۸۸۹)

گھر

واپس اپنے گھر پر ، پھر
کھیت میں درختوں کے
بیچ تانیں بینا کی
رات، چاند بدلی میں !

دخترِ جواں ، اس کے
دل میں آگ کی لپٹیں
تانیں وہ سُنیں اُس نے
آنسو اس کے بہ نکلے

اس کو دس برس بیتے
روتی ہو اسی دل میں
اب بھی جب کہ تم ماں ہو ؟

بوسے کے بعد

"سو گئیں کیا؟" "نہیں"! تم کہتی ہو
پھول وہ پھول مئی کی رُت کے
دوپہر کو جو کھلیں، جھیل کنارے پہ اُگی
دُوب میں، دُھوپ تلے
"موند کر آنکھیں میں مرسکتی ہوں
ابھی اور اِس جگہ" تم کہتی ہو!

مُورواُوسائی سے ای

MUROU SAISEI

(پ ۱۸۸۹)

شام

آج میں کتنے ہی لوگوں سے ملا
جو ملا اُس نے کہا:
شام کرتی ہے مجھے آزردہ!

تسوبوای شیگے جی

TSUBOI SHIGEJI

(پ ، ۱۸۸۹)

یہ تو ممکن ہے

یہ تو ممکن ہے کہ خاموش رہوں لیکن میں
خالی الذّہن نہیں
سوچ جاری ہے مسلسل میری
گرچہ میں کچھ بھی نہ بولوں ، پھر بھی
مجھے دیوار سمجھنے کی نہ کرنا غلطی !

تارا اور مُردہ پتّے

اک نجمِ تنک تاب کا بیدہ پتّوں سے کرتا تھا باتیں
زباں بندیٔ نصف شب میں
ہوا ہی فقط ہل رہی تھی مرے اردگرد اس گھڑی
تھا عجب ایک عالم دل آزردگی کا
تھی اس وقت میری یہ کوشش سُنوں ان کی باتیں
مگر عین اِس لمحے گردوں سے ٹوٹا وہ تارا

ہ حدیثِ خواب ص ۸۲

مُردہ پتّوں کو میں نے کھنگالا مگر
مجھ کو آیا نہ وہ شوخ دیدہ نظر!

صبحِ فردا ہُوا جب میں بیدار تو
ایک سنگِ گراں اپنے دل میں
گرا میں نے پایا

زنداں میں خزاں

اک دوست نے سیب بھیجا
مجھ کو خزاں میں، میں فوراً
کھانے لگا اس کو، نکلا
وہ سرخ حد سے زیادہ
میری ہتھیلی پہ بھاری ——
دُنیا کی مانند بھاری!

بہار

پھُول ہیں پُر بہار و بُوقلموں
ہمہ تن رنگ و بو مگر بیچوں
بھنبھناتی ہیں مکّھیاں کیڑے
جیب و دامن بھرے زرِ گُل سے
میں کسی کے خیال میں گم ہُوں

ے وہ چُھچھا انتہا کا

ہوریگُوچی دائی گاکُو

HORIGUCHI DAIGAKU

(پ ، ۱۸۹۲)

○

ہار

پرو کے تار میں اے کاش اپنے اشکوں کو
ترے گلے کے لیے ہار اک بنا سکتا

ہر ایک شے ہے تہی

ہر ایک شے ہے تہی
عشق و زندگی دونوں
گلاب اب وہ کہاں ہے ؟
کہاں وہ دوشیزہ ؟
ہر ایک شے متغیّر ہو وقت مُرجھائے
مرا احاطہ
جو کرتی ہیں چیزیں
اب کیا ہیں ؟

ہوا
گرے ہوئے پتے
اک آہ
اور سائے!

○

غم

(بہت سے ان جگری مہرباں دلوں کے نام
کہ نام جن کے فراموش ہو چکے ہیں مجھے)

چاہے جانا ہے اک گلِ خنداں
چاہنا مثل اس کے کانٹے کے
جلد ہی پھول اپنی پنکھڑیاں
اپنا ملبوسِ رنگ و بو کھو دے
نوک کانٹے کی نیش بن کے چبھے!

○

یادیں

کتنی ہی عورتوں نے میرے لئے گریہ کیا
کونسی کون تھی واقع میں مجھے یاد نہیں
مل کے آتے ہیں بہت سے چہرے
اور اک چہرے میں گھُل جاتے ہیں
چہرہ ایک روتی ہوئی لڑکی کا
فلم کی طرح ہے دھندلا سا وژن
ایک بیزار بتاتے دن کے
مہ و مرغولۂ تمباکو سے
نظر آتا کم کم
ایک جذبات سے مملو مُووی !

ایک رہتی تھی جو میکسیکو میں
ایک فرزند کی ماں ہو کہ تھا ہمشکل مرا
رفتہ کے آنسوؤں سے شبنمیں اس کی آنکھیں
اپنے بیٹے کو بتائے کہ تمہارا والد
ہوگیا فوت ولادت سے تمہاری پہلے !

پکّی مذہب زدہ ہسپانوی ایک
خوابگہ اس کی جو تھی اس میں مسیحائے صلیب
پیچھے مصلوب کے تصویر مری
زاہدہ عابدہ اس کو کہیئے
کی قضا اُس نے کبھی شام و سحر کی نہ نماز!

ایک وہ بھی جو برابر اپنی
دودھیا جلد پہ تکتی مرے دانتوں کے نشاں
اس زمانے میں کیا کرتے تھے ہم کام یہی
یادِ ماضی کا عذاب اس پہ ہے نازل اب تک
یعنی اب تک ہے فغاں سنجِ نشاطِ رفتہ!

ایک وہ سایۂ پستاں میں کھُدا جس کے ہے نوُن
کوئی پوُچھے اگر ازراہِ تجسّس اس سے:
ہے نشانی کس کی؟
ہنسے اعصابی ہنسی، پھر اس سے
بڑبڑا کر یہ کہے:
کس لئے یاد رکھوں؟

کتنی ہی عورتوں نے میرے لیے گریہ کیا
کونسی کون تھی واقع میں مجھے یاد نہیں!

کانے کومت سُوہارُو KANEKO MITSUHARU

مخالفت

میں مدرسے کا مخالف تھا نوجوانی میں
اور ایک بار پھر اب کام کا مخالف ہُوں
دو چیزوں سے مجھے سب سے زیادہ نفرت ہے
وہ چیزیں کونسی ہیں : پارسائی و صحت
نہیں دیانت و صحّت کی مثل شے کوئی
مُضِرّ و مُہلک و سفّاک آدمی کے لیئے

میں برخلاف ہُوں "جاپانی روح" کے بے شک
اور آئے فرض و مروّت سے مجھ کو ابکائی
کہیں بھی ہو میں مخالف ہوں ہر حکومت کا
مجھے مصنّف و فنکار زہر لگتے ہیں

ہو جب سوال یہ مجھ سے : میں کیوں ہُوا پیدا ؟
تو بے جھجک میں کہوں گا : مخالفت کے لیے
اگر ہو شرق تو میں غرب کی کروں خواہش
میں اپنے کوٹ کو بائیں طرف سے بند کروں
اور اپنے جوتوں کو دائیں سے اور بائیں سے
ہمیشہ اپنے حکامہ کو اُلٹے رُخ پہنوں

میں بیٹھوں گھوڑے پہ پیچھے کی اور مُنہ کر کے

کروں پسند اسے جس سے سب کریں نفرت
ہے سب سے بڑھ کے مجھے بُغض ہمخیالی سے
یہی ہے میرا عقیدہ : نفیس و عمدہ شے
ہے زندگی میں کوئی تو مخالفت کرنا
ہیں زندہ رہنے کے معنی : مخالفت کرنا
مخالفت ہے حقیقت میں ذات کا اِثبات!

نِیشی کاوا جُونزا بُورو

NISHIKAWA JUNZABURO

(پ، ۱۸۹۴)

موسم

صبح اُلٹے ہُوئے صندوقِ جواہر کی طرح
کوئی دروازے کے باہر ہے تکلّم پیرا
سالگرہ ہے یہ خدا کی گویا!

تانا کا

TANAKA:

(پ ۱۸۹۵)

ایک یخ طلوعِ ماہ

زعفراں رنگ شبِ سرما میں
اک گدا کا بیٹا
گائے اک گیت بجا کر سیٹی
چاند آہستہ سے دھیرے سے افق سے اُبھرے
اس (فقیرانہ صدا) کی لے پر
اس شبِ سردِ زمستاں
ہے اکیلا وہ گدا کا بیٹا
اور اک خواب عجیب البیلا
دیکھے جس طور کوئی شہزادہ!

○

تاکی گوچی تاکے شی

TAKIGUCHI TAKESHI

تاکستان

ابھی نارس ہیں ہمارے انگور
ابھی بارش کے تمہیں چاہیں کتنے دن اور ؟
دھوپ کے تم کو ابھی چاہیں کتنے دن اور ؟
صبر منظور ہے پھر بھی بولو
اے مرے باغ میں تاکوں سے لٹکتے خوشبو!
کب بنو گے تم مے ؟

کاواجی ریُوکو

KAWAJI RYUKO

اُونٹ

تمہاری پتلیوں میں عکس ہونا چاہیے
صحرا کے پہناور سمندر کا
کنارِ دشتِ دُوری میں لڑھکتے، ڈوبتے خُونرنگ سُورج کا
ہرے شاداب نخلستان کے نیلے

افق پر دھندلے دھندلے سے کھجوروں کے جو پتّوں میں ہے پوشیدہ
تمہاری پُتلیوں میں جو شرافت ہے
دلاتی ہے مجھے احساس رہ رہ کر
تمہارے دور کے خوابوں خیالوں کا
مگر بولو! یہاں یہ باڑ کیسی ہے ؟
یہ قطعہ ریت کا کیا ہے ؟
جو اک بچّے نے پھینکی ہے تم اطمینان سے کھاتے ہو وہ روٹی
تمہارا پُرسکوں چہرہ سراغِ اضطرابِ دل نہیں دیتا
تمہارے جسم میں کیا ہو چکیں مدفُون ساری یادیں ماضی کی ؟
یہاں جو جمع ہیں مل جل کے ان لوگوں
نے کیا ہتھیا لیے تم سے
تمہاری مادرِ ارضِ وطن کے — سرزمیں ہے جو —
ابوالہولوں کی، اہراموں کی —
سارے خواب، سب جذبے ؟

○

اوکی آتسُواو OKI ATSUO

(پ ۱۸۹۵)

وہ

مُوویوں، پینٹنگز، میوزک سے محبّت ہے انہیں
کیونکہ ان کی زندگی میں سُکھ نہیں
نرم جذبے بھی وہ رکھتے ہیں اگرچہ آگہی کی آنکھ بھی

سیرگاہوں، نہروں، پھُولوں سے محبّت ہے انہیں
کیونکہ آلام و مصائب ان کے بے حدّو حساب
اور جبیں ہیں تہی

جگمگاتی پارکوں، شہروں، ہجوموں سے محبّت ہے انہیں
کیونکہ ان کے دل کے اندر ہے اندھیرا
ہیں وہ بھوکے گرم احساسات کے

دعوتوں سے، چھٹّیوں سے، اتواروں سے محبّت ہے انہیں
کیونکہ ان کو چاہیے

قدرے آرام و فراغت اور وافر عمدہ کھانا گاہ گاہ
اور ہے ارمان ان کو پہنیں اپنے بہتریں کپڑے
نئی شُستہ قمیصوں پر کبھی!

میازاوا کین جی MIYAZAWA KENJI

(۱۸۹۶ - ۱۹۳۳)

تین نومبر

خم ہوا کے نہ بارش کے آگے
نہ گرمی کے نا برف کے
ہاڑ اس کا کرارا ہے لیکن نہ غصّہ نہ لالچ
رسان اور دھیرج سے وہ مسکراتا ہُوا
اور روزانہ خشکے کے چار اک بادیے نوش کرتا
لوبیے سے، کبھی سبزیوں سے
کبھی اپنے بارے میں نا سوچتا
دیکھتا اور سُنتا ہر اک شے مگر
سب سمجھتا نہ کچھ بھی فراموش کرتا
رہے ایک چھوٹے سے چھپرّ ڈلے جھونپڑے میں
صنوبر کے اک کنج کے سائے میں
بچّہ پورب میں بیمار ہو گر کوئی تو
وہ جا کر نگہداشت اس کی کرے
ماں تھکی ماندی پچھم میں ہو کوئی تو
دھان کی پولیاں باندھے واں جاکے اس کے لیے

مرد دکھن میں گر مر رہا ہو کوئی تو
وہاں جا کے دلداری اس کی کرے
گر ہوں اُترّ میں جھگڑے تو وہ
ان کے منہ پر کہے : یہ فرومایگی چھوڑ دو!
اس دنائت کی جڑ کاٹ دو
قحط سالی میں آنسو بہائے
چلے آنسوؤں میں سے چلّے کے جاڑوں میں وہ
بیوقوف اس کو ہر کوئی بولے
بنائے ہر اک آدمی اس کو بالا
نہ پروا کرے کوئی اس کی نہ تعریف و تحسین
وہی آدمی بننے کی آرزو ہے مجھے!

○

ساسازاوا یوشی آکی

SASAZAWA YOSHIAKI

(پ ، ۱۸۹۸)

ارگن میلوڈی

گراں بارِ دل کا
میں اک شام کا پیڑ ہُوں
حدِّ امکان تک
جذب کرتا ہوں میں روشنی
اور اس کو گنوانے سے ہوں محترز
میں کہ اک شام کا پیڑ ہوں
میں بے حسّ و حرکت ہوں یُوں اس لیے
جو بھی گزرے یہاں سے اسے ڈُول
محبّت کا دل
چھاؤں میری مگر آہ چھدری ہے کیسی !
میں اک پیڑ ہوں
اور گھُل جاؤں گا جلد ہی
خوابِ شب میں
بنا کچھ کہے !

یاماکورا جون YAMAKURA GUN

(پ ، ۱۸۹۸)

اعتراف

منتظر ہی رہا میں موقع کا
ہو گئی اتنے میں وفات اس کی
چاہتا تھا میں اس سے کیا کہنا ؟
کہر آلود رات کی مانند
ہے یہ اک بات مبہم و مرموز
تھی یہ کیا، ہے مجھے پریشانی
ہو نہ شرمندۂ بیاں شاید
قبر میں شاید اس کو لے جاؤں
یونہی ناگفتہ ناشنیدہ یونہی
ایک مدّھم سی سرسراہٹ سے
تب ہوا اس پہ سنسنائے گی !

○

ماروياماکاؤرو

MARUYAMA KAORU

(پ ۱۸۹۹ء)

مرثیہ

چھڑکنے دو تابوت پر پتّیاں مجھ کو
ان پتّیوں کو مجھے ریت کے ڈھکنے سے
دفن کرنے دو
اور آنسوؤں کی مجھے میخیں اس ڈھکنے پر ٹھونکنے دو!

ایک خواب

آسماں کو چھوتی ٹھنڈی ٹہنیوں پر
دو ستارے ہیں معلّق
گرد کی مانند
دو شیشے کے ٹکڑوں کی طرح!

جُدائی کا دُکھ

ایک لنگر کے کان میں بیٹھا
کرے تُوتُو سمندری بگلا
یک بیک ایک لفظ بھی کہے بِن
پھسلے نیچے وہ آہنیں لنگر
چونک کر پر سمیٹ لے بگلا
اور اک جست بھر کے اُڑ جائے
ایک لمحے میں غرق ہو لنگر
پانی میں، رنگ اس کا زرد پڑے
اور بگلے کے دل پہ کیا گزری ؟
اس کے سینے میں جو خیال تھا وہ
دُکھ بھری اک صدائے پُر وحشت
جو خروشِ ہوا میں کھو جائے !

کیتاگاوا فویوہیکو KITAGAWA FUYUHIKO

(پ ، ۱۹۰۰)

ایک پرندے کی سرگوشی

پھولو جاگو !
اور دیکھو کہ تمہارے لگن کا پانی
آدھا خالی ہے
بجلی کے کھمبو جاگو !
اور دیکھو کہ تمہارا لمبا بازو
آدھا ٹوٹا ہُوا ہے
ہڈیو جاگو !
اور دیکھو کہ تمہارے وارث
مدّت سے تمہیں بھُول چکے ہیں
لہرو جاگو !
اور ملے گا تم کو وہ
جو تم کو نگلنا چاہیے
دھرتی جاگ !

اور دیکھ
کہ کتنا قیمتی ہے وہ لہو
جو تیرے پیٹ کے ایک کونے سے
بہایا گیا!

مشین

ہیں اس کے دلِ پُرخوں
کی دیواریں فولادی
مبادا بھاپ کی صورت
ہوا ہو، لہو اس کا
جو عورت بھی توڑے گی
یہ دیوارِ فولادی
وہ جل کر بھسم ہو گی
صفت اس پرندے کی
جو غرق اپنے خوں میں ہوا!

○

اوکاموتو جُون OKAMOTO JUN

(پ ۱۹۰۱ء)

خوابوں کی رزمگاہ

تم جب دو یا تین سال کی تھیں
تو میں تمہیں اُٹھائے ہُوئے
باغ میں کھڑا تھا
تمہیں اُٹھائے ہُوئے میں نے بعید آسمان کے دوسرے سرے تک
اپنے خوابوں کا پیچھا کیا
یدک کر تم میرے بازوؤں سے پھسل گئیں اور گر پڑیں
تم بُری طرح چیخیں
اور میرے خوابوں کی دنیا غائب ہو گئی
تم لباس سے بے پروا بڑھتی رہیں
اور پرائمری اسکول میں گئیں
مجھ لاپروا اور نامستقل مزاج نے فیصلہ کیا
کہ اس کے بعد تمہیں نہیں اُٹھاؤں گا
تمہیں تمام کا تمام تمہاری ماں کے لیے چھوڑ دیا
اور گھر کے بارے میں فکرمندی ختم کر کے
خود کو تمام تر خوابوں کے حوالے کر دیا

تم کہ اکلوتی بچی تھیں
پیار کرتی تھیں اپنی گڑیوں سے
پیار کرتی تھیں جانوروں سے
پیار کرتی تھیں پودوں سے
بلکہ نئی گڑیا سے بھی بڑھ کر
تم اپنی پرانی کو گلے لگاتی تھیں
جس کی ٹانگیں اور بازو تمام ٹوٹ پھوٹ چکے
تم جنگلی پودوں سے باتیں کرتی تھیں۔ جن کے نام تم کو
نہیں آتے تھے

کتّے، بلّیاں، پرندے، کیڑے
ہر وحشی چیز کو تم فوراً دوست بنا لیتی تھیں
لیکن تمہارا چہیتا اِمپی تھا — آوارہ کتّا
اِمپی اسکول جاتا تھا تمہارے ساتھ
اپنے سبق تمہارے بازوؤں میں لیتا تھا
اسکول میں تمہارے پانچویں سال
پولیس کسی پرانی چیز کے لیے
مجھے لے کر چلی گئی
تم ماں کے ساتھ آتیں
یا کبھی اکیلے

مجھ سے ملنے کے لیے
"یہاں پھر؟" تم کہتیں
آلس سے مُند چال سے کمرے میں داخل ہوتے
متین بوڑھے آدمی ہنستے
تم روغنوں کی رسیا
میرے چہرے کا خاکہ بناتیں
اس کے سب جھاڑ جھنکار کے ساتھ
اور بوڑھے آدمیوں کے سروں کا
کسی تعلق کے بغیر — اور سب کو
ہنسنے پر لگا دیتیں
ایک بوڑھے آدمی نے اپنی تصویر
دیوار پر لگا دی
اور ہمیں ہنسایا یہاں تک کہ ہم اور نہ ہنس سکے
"میں دوبارہ آؤں گی!" تم کہتیں
جاتے ہُوئے اپنا ہاتھ ہلاتے
تب گرلز ہائی اسکول میں
اپنی ماں سے زیادہ لانبی
اسکول میں سب سے زیادہ شریر، وہ کہتے
خچر کی طرح اڑ جانے والی

ایک بار فیصلہ کر کے
تم اس پر جم جاتیں
تم میں اس ضد کا میں خاموشی سے مشاہدہ
کرتا رہا

تین ، پانچ یا دس سال کے بعد
تمہارا کیا بنے گا ؟
مجھے نہیں معلوم
خوش ہو گی کہ ناخوش مجھے نہیں معلوم
تمہارے خواب گہری نیند سوئے
اپنی شکستہ گڑیا کو چمٹائے اس کے گندے
انگلیوں کے نشانوں سمیت
آنکھیں اور ناک مڑی تڑی
اور میرا خواب جب میں نے تمہیں گرایا اور جگا دیا
خواب پر خواب کی داب
خلط ملط ہوتے غضبناک جلتے جلاتے
بے پروا چنگھاڑتا شور
اور رزمگاہ میں خاموش خوابوں کی
توپ کے چکراتے دھوئیں میں
ایک ننھی شرافت
ایک پھول جو مرجھاتا نہیں !

تاکاہاشی شین کی چی

TAKAHASHI SHINKICHI

(پ ، ۱۹۰۱)

پیدائش

کیا مرے ہاتھ نے بال تیرے چھوئے ہیں کبھی ؟
کیا مری انگلیوں نے کبھی
نرم جلدِ بدن تیری محسوس کی ؟
ایک جاڑے کا کورا سدا درمیاں میں ہمارے اُترتا رہا
گرمیوں کا کہاسا سا اُڑتا رہا ، کیا نہیں ؟
پیٹ تیرا مگر ایک بچّے سے اُپلا سا پھُولا ہُوا
ایک موجِ نفس سے اُچھلتا ہُوا ، جھٹکے کھاتا ہُوا
گرچہ سویا کیے ہم اکٹھے مگر
میں نہیں جانتا یہ کہ تو کون ہے ؟
تو جنے گی جو بچّہ وہ ممکن ہے تُو ہو
اور امکان یہ بھی ہو میں
اور تو بھی نہیں جانتی یہ کہ میں کون ہُوں
گربھنی ، اب دو جانوں کی تُو ہے امیں

---

٥ باردار - گربھ ونتی - آدھان سے - گابھن - آلبتن - حُبلیٰ
حاملہ - گربھوَتی ، گربھونتی - دوجیا (گربھ = گابھ = حمل = دو جی سے ہونا)

اب تو اک فرد دِکھتی نہیں
تیری ساری محبّت ہے مرکوز اس بچّے پر اب جس کو تو دے گی جنم
میں کہ جو باپ ہوں میری ہستی ہے اب بچّے کی پرورش سے کہیں کم اہم

غالباً یہ سب ہے فریبِ نظر
درحقیقت نہ تُو ہے نہ میں
(رازِ ہستی کی کس کو خبر؟)
لمس کی حِس ہی سے صرف وقتاً فوقتاً ہمیں اپنے ہونے کا احساس ہو
جس طرح ہو بہو خواب میں
اور اس خواب کی کیفیت میں جنم لے گا بچّہ ہمارا
ہمارا وہ لختِ جگر

جو ہو پیدا ہمیشہ نہ زندہ رہے
جو ہے موجود وہ دوسری بار پیدا نہ ہو
اس لیے تم ہو موجود یا کوئی چیز پیدا شدہ
میں نہیں جانتا!

○

مُورانو شیرو

MURANO SHIRO

(پ ، ۱۹۰۱)

کالا نغمہ

آنکھوں سے ، کانوں سے
کالک گرتی ہے
رات میں پگھلا
گوشت میرے مُنہ سے اُبلتا
یہ کیا ہو سکتا ہے
یہ کالا نغمہ ؟
یہاں کوئی سحر نہیں پہنچتی
ایک خلا
زمیں کے سائے میں
نہ پیڑ نہ گھر نہ کُتّا
اور یہاں ایک دل
جو نہیں مرے گا
جو نہیں سوئے گا
نغمہ زن رہے گا نغمہ زن رہے گا
دوستو دنیا کے !
اس کے نغمے کو سنو
امن کے کالے نغمے کو !

ناکانو شی گے ہارُو NAKANO SHIGEHARU

(پ ، ۱۹۰۲)

(۱)

گیت

قرمزی پھولوں کے ، پرِ مَسخرہ کے
یا پوِن کی زیرِ لب سرگوشیوں کے یا
کسی عورت کی زلفوں کے مہکتے عطر کے مت گاؤ گیت !
نرم و نازک ہے یہ سب
مبہم و مرموز سب
ناتوان و سُست سب
چھوڑ دو اسے
یہ نفاست کی ہیں باتیں — دُور پار
گیت تم ان کی بجائے گاؤ اس کے
جو ہے سچا جو کھرا
تقویت دے دل کو جو
گاؤ سینہ تان کر
پھیپھڑے پھٹنے لگیں آواز سے
گاؤ تم وہ زندگی افروز گیت
شرم کی گہرائیوں سے حوصلہ مندی جو لے

عزم کی جس میں ہو گونج
گردشِ ایام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر
گاؤ سینے کو پھُلا کر گاؤ چھاتی تان کر
تال سُر کے ساتھ گاؤ گیت یہ مستانہ وار
اور انہیں سب کے دلوں میں دو اُتار!

(۲)

صبح سے پہلے الوداع

کام کرنا ہے اپنا ہمیں
کام کے واسطے بولنا بھی پڑے گا مگر
ہم جو بولیں تو پولیس ہم پر تشدّد کرے
اس قدر کہ بگڑ جائیں حُلیے ہمارے
بدیں وجہ ہم نے بجھا دی ہے بالائی کمرے کی بجلی
کھلی ہم نے رکھّی ہے رہ بھاگنے کی
گلی ہے جو پچھواڑے اس سے
یہاں سوتے ہیں چھ جواں آدمی
ہے نیچے کپّل ایک اور ان کا بچہ
مجھے ان چھؤں کے گذشتہ کا مطلق نہیں ہے پتہ

جوڑا — میاں بیوی COUPLE

صرف اتنا پتہ ہے مجھے ہم میں ہے ہمخیالی
جو انداز ہے سوچنے کا ہمارے وہ یکساں
ملی سب کی پاُول
جو رہتے ہیں نیچے مجھے نام ان کے بھی آتے نہیں
مجھے صرف یہ علم ہے کہ دیا ہے کرائے پہ بالائی کمرہ اُنہوں نے
خوشی سے

کسی لمحے بھی صبح کی ہے توقّع
ہمارے لیے ہے جو بانگِ درا
ہیں تیّار تھیلے ہمارے
وہاں خُفیہ اجلاس ہوگا
بڑھے گا ہمارا یہ کام پر رفتہ رفتہ
اس طرح سوئیں گے کل بھی
کرائے کے کمبل لیے
کسی لمحے بھی صبح کی ہے توقّع
خدا حافظ اے چھوٹے کمرے!
برہنہ و آلودہ تن روشنی!
اے کھلونے سلولائیڈ کے!
کمبلو اے کرایے کے! اے کھٹملو!
الوداع!

یہ خیالات پھولیں پھلیں اور پھیلیں
ہمارے
کپل کے اور اس طفل کے
سب کے سب ایک ہی بار اور بربریت
کے ساتھ!

ہایاشی فُومیکو HAYASHI FUMIKO

(۱۹۰۴ — 1951 —— شاعرہ)

نغمۂ یاس

پڑوسی، خونی رشتے، چاہنے والے
مر اب ان سے کیا رشتہ، تعلّق کیا؟
ہماری زندگی کی اشتہا گر ہو نہ آسُودہ
تو دل کش پھُول ہم کو جو نظر آتے ہیں، ہُوں جلدی ہی پژمردہ
میں کتنی مسکنت سے سرنگوں بیٹھی ہُوں
قسموں، بددعاؤں کے ہجومِ بدتمیزی میں
مگر عزمِ عمل دل میں ہے خوش خوش کام کرنے کا
کروں کوشش میں اپنے بازوؤں کو اُونچا کرنے کی
میں اک گڑیا کو چمٹائے ہُوئے چُپ کس طرح بیٹھوں:
یہ کوئی مجھ کو "دُو دُو" کرنے نہیں دیتا

ہو مجھ پر بھوک طاری یا ہو دامن گیر بیکاری
کوئی کہنے نہ دے "وُو" مجھ کو ، اس ڈر سے
کہیں خوش بخت لوگوں کی
جبیں پر بل نہ پڑ جائے اسے سن کر
بہے گرچہ تمہارا خون
مر جاؤ اگرچہ تم اذیّت سے
تمہاری رائے ہے کیا ، کیا
زمیں کو ذرّہ بھر بھی اس کی ہے پروا ؟
وہ پے در پے توانا گولیاں ڈھالیں
نظر آئے مجھے "تازہ پکی روٹی
سجیلے شو ۔ دریچوں میں
سبک ہے خوبصورت ہے پیانو کی طرح
دنیا نہیں میں آشنا جس سے
گلا میرا رُندھا جاتا ہے اُف
خدا کی مار ہو اس پر !

○

تسونیو اوسادا

TSUNEO OSADA

(پ، ۱۹۰۲)

کاشکے

شاعری میں جب ابھی تھے قافیے
اس سمے ہوتا میں پیدا کاشکے!

آویزے

تم نے دیکھا، موتیوں کے ساتھ اس کے کان بھی
لے رہے ہیں ہچکیاں!

PREASE. PREASE

○

تاکے نارا ای کو

TAKENARA IKU

ٹورِسٹ جاپان

(پ، ۱۹۰۴)

فُوجی یاما[1] —— ہم بیچتے ہیں
میاجی ما —— ہم بیچتے ہیں
نِکو —— ہم بیچتے ہیں
جاپان —— ہم ہر جگہ بیچتے ہیں[2]
نارُو دتو، آسو

ہم انہیں گُٹھم بیچتے ہیں

پریزہ! پریزہ[3] آؤ دیکھو
مجھ سے ہاتھ ملاؤ[4]، مسکراؤ!
منی منی![5] اصل چیز یہی ہے[6]

۱۔ پہاڑ
۲۔ ہمیشہ برائے فروخت
۳۔
۴۔ ہم اپنے ہاتھ ملتے ہیں
تبسّم کی نمائش کرتے ہیں
۵۔ MONEY, MONEY
۶۔ بہت بہت روپیہ اچھا ہے

ہم جاپانی —— سب کاریں خریدیں
ہم جاپانی —— سب لائیٹر[1] پسند کریں
ہم جاپانی —— سب اچھے مالی
ہم جاپانی —— سب پوپ گانے گائیں
ہم سب کے سب جُھکیں
سب ، سب ، حلیم و نرم ہیں !
جی !

---

[1] سگریٹ

اِتو، ہیتوشی
ITO HITOSHI

(پ، ۱۹۰۵)

بعد کے دن کے لیے

گرم دل اپنا رکھو پاس اپنے
اور کچھ دیر ابھی براہِ کرم
اب نہیں ہوں میں اس قدر ناشاد
کبھی، جب میں کئی مہینوں تک
تھا برابر فسردہ و تنہا
کی کسی نے نہ میری دل جوئی
ملا ایسا نہ غمگسار کوئی
پُر حرارت تمہارے لفظ سے جو
مجھے جینے کا حوصلہ دیتا
از رہِ لطفِ خاص رکھو یہ دل
پاس اپنے بچا کے میرے لیے
اسی حالت میں جُوں کا توں یُونہی
آنے والے دنوں کے واسطے جب

آئے پھر دورِ نامرادی کا

ریزہ ریزہ ہو پھر وجود مرا
جب ہمیشہ کی طرح میں ڈرپوک
ٹھنڈ سے کانپتا ہمیشہ کی طرح
میری پُر التجا نظر کا تم
اس گھڑی انتظار مت کرنا
مجھے جھٹ پٹ یہ لفظ دے دینا
تاکہ مجھ کو یہ بات یاد رہے
کہ ہمیشہ مری حفاظت کو
تم میں اک گرم آشیانہ تھا!

○

اِیواسا توئی چیرو IWASA TOICHIRO

خزاں کی ہوا

استرے کی دھار کی ٹھنڈک کے ساتھ
اے ہوائے مہرگاں !
مونڈتی ہے تو زمیں کی داڑھیاں
چھوڑ کر باقی پرانی یادیں مونڈے گی جنہیں
تُو پھر کبھی
سنسناتی ہے تو میرے دل کو برماتی ہُوئی

میری نظمیں

نظمیں جو میں نے لکھیں کنکر ہیں
مرد و زن جن پہ چلیں
اور بیدردی سے پامال کریں سانجھ سمے

موسموں کا تغیّر

گر بہار آئے برف میں چھپ کر
بیج گرمی کے، گرتی پنکھڑیاں
ہوں گی گیلاس کے شگوفوں کی
گرتے پتّوں کے ڈاک پتروں سے
اطلّاع اپنے آنے کی جاڑا
دے ہمیں خامشی سے، دھیرج سے
دلِ شاعر کو کال ٹیلیفون
کی کرے پیشتر سے بس پت جھڑ
کومل آواز، نرم لہجے میں!

بُنا ہُوا کپڑا

رات دن بُنتے ہیں میری زندگی کا تار و پُود
اس پہ پھُولوں کے نمونے کاڑھیں، خوشیاں، عشق، غم
اے فرشتے میرے دل کے!
خوبصورت اک نمونہ رنگ تُو میرے لیے
اور تُو سُورج! فلک کی استری
سلوٹیں اندوہ و اضمحلال کی میرے نکال!

ناکاہارا چُویا

NAKAHARA CHUYA

(۱۹۰۷ — ۱۹۳۷)

سرد رات

جاڑے کی ایک رات مرا دل اُداس ہے
آتا نہیں سمجھ میں کہ یہ کیوں اُداس ہے
اُودا ہے اس کا رنگ ، اسے لگ گیا ہے زنگ !

وزنی دروازے کے پار
گزرے ہُوئے دن دھندلے ہیں
پربت کی چوٹی پر
بیج کپاس کے پھُوٹتے ہیں

دیکھو ایندھن یہاں سُلگتا ہے
اور اس میں سے اُٹھ رہا ہے دُھواں
جیسے ہو اپنے آپ سے واقف
بن بلائے ہُوئے ہی صرف نہیں
بلکہ بن چاہے دل مرا سُلگے !
اس سے کالا سیہ دھواں نکلے !

○

آندو ای چیرو
ANDO ICHIRO

(پ ، ۱۹۰۷)

(۱)

آئی ہے سرد صبح گلوٹین کی طرح

(۲)

ہاتھ اک لالٹین کو تھامے
چیختی اور گھومتی اس کے
نیچے وادی — اندھیرے کی وادی !

بجلی کا لشکارا

دُور افق پر برق چمکے
پھینکتی اک ارغوانی کوندم
پیڑ سارے یک بیک
تیرگی سے جاگتے ہیں

دامنی دمکی تو ننگے ہو گئے
بھید جو ان کے تھے سارے کھُل گئے
بھونچکے عریانیِ اسرار پر

برق کمرے کا جو منظر ہے اسے روشن کرے
اور اس بستر کو بھی لیٹی ہے ننگی وہ جہاں

اور اس کی سانس لیتی چھاتیاں
سرسرائیں جن پہ سائے
سرنگوں پتّوں کے، ایک
تازہ خواہش کی طرح !

○

تسُومُورا نوبُواو TSUMURA NOBUO

(۱۹۰۷ - ۱۹۴۴)

دُور کی چیزیں

اک نئے پیدا پتنگے کی طرح
توڑ کر اسپید کویے کو جو نکلے اپنے خولِ مرگ سے
بچّے کی نشو و نما بھیدوں بھری مجھ کو لگے
پُر تحیّر ہی نہیں
یہ ظہورِ زندگی دل کش بھی ہے
میں نے گھر تعمیر جنگل میں کیا
واقعہ پیرانہ سالی کا مری
ہے علامت پھولنے پھلنے کی بچّے کے مرے
بات کوئی اس میں حیرت کی نہیں
جب ہوا آتی ہے تو
جھُومنے لگتے ہیں پھُول

روزمیلو کے باندازِ قبول
اک سفر میں مجھ کو اک لڑکی ملی

ROSE MALLOW ـہ

ہے یہ اک دیرینہ قصّہ، اک پرانی داستاں
اک زمانہ اس کو بیتے ہو گیا
اور وہ لڑکی وہ میری ہمسفر
بن گئی میری شریکِ زندگی
اور وہ بیوی میری شریکِ زندگی
پاس ہی دیوار سے لگ کر کھڑی
بچّہ اس کے بازوؤں میں
اور ہلکا سا تبسّم زیرِ لب
سنسناتی ہے ہوا
کس سمت سے ؟
ہو چکا کیا محو میرے ذہن سے
وہ سفر وہ ساری چیزیں دُور کی ؟

جُون تاکامی

JUN TAKAMI

(پ ، ۱۹۰۷)

غم

بیج انگوروں کے جیسے
مرے دل میں غم ہے

سبز انگور ڈھلیں موجۂ مے میں جیسے
غم مرا دل ہے نشیمن جس کا
تو بھی مسرور و طربناک خوشی میں ڈھل جا

آسماں

ہے کہاں سے ابتدائے آسماں ؟
اُڑ رہا ہے کالا کنکوّا جہاں
آسماں میں وہ جگہ شامل ہے کیا
دُور انسانی نظر سے اس جگہ
خامشی سے خامشی سے پک رہا ہے ایک پھل
آہ ماحول اس کا پہلے ہی فلک کی مِلک ہے

فُوکُوہارا کیوشی
FUKUHARA KIYOSHI

(پ ۱۹۱۱ء)

تُم بہت دُور ہو

اے میری خوابناک پرانی محبتّو !
تم کتنے فاصلے پہ ہو کتنی بعید ہو ؟
اتنا تو قطب تارہ بھی شاید نہیں بعید
آجائے جو کہ رات کو آسانی سے نظر
گڈمڈ ہو تم مگر مری یادوں میں اس قدر
بتلا سکوں نہ غالباً اتنا بھی اب تو میں
نا کیں تمہاری لگتی تھیں چہروں پہ کس طرح !

○

سُوگی یاما ہے ای چی SUGIYAMA HEIICHI

(پ ۱۹۱۴ء)

دوڑ

جوانی میں میں اکثر دوڑتا تھا
ضرورت گرچہ تھی ایسی نہ کوئی دوڑنے کی
نہ جانا تھا کہیں مقصود مجھ کو
یونہی بس دوڑتا تھا سرخوشی سے
مرے دل میں اک انجن تھا خروشاں
میں ہرچند اب بھی اکثر دوڑتا ہوں
تھکن سے ہانپتا، پھولی ہوئی سانسوں سے، پیلا
مبادا ریل گاڑی چھوٹ جائے
مبادا اپنے وعدے پر نہ پہنچوں
نہ ہو جائے کہیں تاخیر مجھ کو
یہ سب باتیں مجھے کھینچیں گھسیٹیں
مرے دل میں مگر اب کچھ نہیں ہے!

تاچی ہارا میچی زُو
TACHIHARA MICHIZO

(۱۹۱۴ - ۱۹۳۹)

(۱)

ایک مُسافر کا نغمۂ شب

سرد بارش کہ ہے وحشت سے بھنور کی صُورت
ہے مرے ہاتھ میں جو لیمپ بڑی مشکل سے
میرے قدموں کے اندھیرے کو ذرا سا چیرے
بیکراں رات میں مَیں
کیا مرے پاؤں میں چکّر ہے کوئی ؟
کس لیے خوار ہُوں راہوں میں ، ہُوں کیوں آوارہ ؟
روشنی ، گرم سخن ، ڈھانپتا تکّیا بستر
رکھ دیا ایک طرف میں نے اُٹھا کر ان کو
لیکن اس بات کی حیرانی ہے
کہ میں کیوں خوار ہُوں راہوں میں ، ہوں کیوں آوارہ ؟
میرے سونے سے پہلے اگر سحر آجائے
تو کہاں جاؤں ؟ اور اک بار وہاں جا کر بھی
کیا کروں میں ؟ ہو مرا مشغلہ کیا ؟

تر بہ تر اور شرابور مگر اس پر بھی
یاد آتی ہیں سہانی یادیں
کیا میں گھر جاؤں کہ اس کوچے میں
سُرخ جس کوچے کی ہیں روشنیاں ؟
نہیں ! مجھ کو تو اندھیرے میں اُتر جانا ہے !

پس اندیشے

مرے سپنے سدا لوٹے ہیں
اک کہسار کے دامن میں واقع ایک سُونے گاؤں کو
موجِ ہوا بھرتی ہے نت جس کی گھٹیلی گھاس میں آہیں
جہاں نغمے لٹاتے ہیں چکاوک ، دوپہر کی خاموشی میں
بَن کے رستے پر
سپہرِ لاجوردی میں اجالا مہرِ عالم تاب کا
آتش فشاں سویا ہُوا
میں اس کی جو دیکھا ہے میں نے داستاں کہتا
جزیرے ، لہریں ، خشکی ، چاند ، سُورج
مجھے معلوم ہے سُنتا نہیں کوئی ، مگر پھر بھی

میں بولے جا رہا ہُوں اور بولے جا رہا ہُوں
یہاں پہ آ کے سپنا ٹوٹ جاتا ہے
میں سعی اپنی سی کرتا ہُوں ہر اک شے کو بھلانے کی
میں اپنے اس بھلانے کو بھی جس دم بھُول جاؤں

یادوں میں نیمِ زمستاں کی یہ سپنا منجمد ہو جائے گا
اور ایک شب وہ
کھول کر دروازہ اس رستے پہ گم ہو جائے گا
جو کہکشاں سے جگمگاتا ہے!

○

میوشی تیوای چیرو MIYOSHI TOYOICHIRO

(پ ، ۱۹۲۰)

ایک قیدی

آنکھ آدھی رات کو میری کھُلی
تھا نہ کوئی آس پاس
ایک کُتّا لگ پڑا پھر بھونکنے
ایک دم سے چونک کر
کان جتنے بھی ہیں سب بستر میں ہیں
اور بستر ابر میں
کپکپاتے دانت تنہائی سے ہیں سہمے ہُوئے
اک نزاکش آواز اُونچی کُودتی
محض پھر نیچے پھسلنے کے لیے
اور ہر دفعہ پھسلتا ہُوں میں نیچے کھاٹ سے
میری آنکھیں جس طرح دیوار میں سوراخ دو

خواب میرے منجمد یوں فاسفوری بنس جیسے میز پہ
سرخ و سوزاں اک ستارہ لاجوردی چرخ میں
اور اک کتا اداسی سے زمیں پر بھونکتا ...
آ رہی ہے ایک نامعلوم گوشے سے صدائے بازگشت
راز مجھ پر کھل گیا
بھونکتا ہے ایک کتا میرے دل کے قید خانے میں بھی تو
زرد بے خوابی سے کتا زیست کا !

تامُورا رِیُواچی

TAMURA RYUICHI

(پ ۱۹۲۳)

چار ہزار دن اور راتیں

اِک نظم کی پیدائش کے لیے
اشیا کا قتل ضروری ہے
ہمیں موت کے گھاٹ اُتارنا ہے بہت اشیا کو
یا گولی چلائیں قتل کریں یا زہر پلائیں
بہت سوں کو جن سے کہ محبّت ہے ہم کو

دیکھو تو چار ہزار دنوں اور راتوں کے انبر سے
یہ چار ہزار شبوں کا سنّاٹا
یہ چار ہزار دنوں کی ضَو
سب اس باعث کہ ہمیں درکار تھی اک ننھّے طائر کی زباں
ان سب کو نشانہ بنایا ہم نے گولی کا

سنو سب مینہ کے بھیگے شہروں
اور سو دھن بھٹّیوں سے

گھاٹوں سے ، تپتے تابستاں کی
کوئلے کی سب کانوں سے
ان چار ہزار دنوں کی محبّتیں چار ہزار شبوں کا دُکھ
سب اس باعث کہ ہمیں
درکار تھے آنسو ایک اکیلے
بھوک کے مارے بچّے کے
تلوار کے گھاٹ اتارا ان سب کو

ہاں یاد رکھو ! سب اس باعث درکار تھی ہم کو
دہشت اک بیچارے کُتّے کی
جس کو دِکھنا ہے جو ہم کو نہیں دِکھنا
جو سُننا ہے وہ ہم جس کو نہیں سُن سکتے
وہ ہماری چار ہزار شبوں کی سوچیں
وہ ہمارے چار ہزار دنوں کی بارِ دیادیں
ان سب کو زہر پلایا ہم نے
اِک نظم کی پیدائش کے لیے
قتل اس کے برابر کا لازم ہے ہم پر
یہ ہمارا ایک طریقہ ہے مُردوں کو واپس لانے کا
اسی ایک طریقے سے ہم کو
یہ کرنا ہے ؟

تین آوازیں

آواز آئی فاصلے سے
آواز آئی دُور کے فاصلے سے
کسی سرگوشی سے زیادہ نیچی
کسی چیخ سے زیادہ اُونچی
تاریخ کی گہرائیوں سے زیادہ گہری
بحرِ عمدآن کے ۱۰۸۳۰ میٹروں سے زیادہ گہری
بحرِ لفظوں کے اندر
شاعروں نے جسے دریافت کیا
اس گمشدہ بحر میں گھستی
دُنیا کی سب سے زیادہ جمنے والی فضا میں شگاف کرتی
دُنیا کے نازک ترین سکاڈرن کو سمندر کی تہ میں غرق کرتی
ہمارے بادشاہوں اور ہمارے جوشِ شہوت کے شہروں کو
قابو میں رکھنے والی
ہمارے مرے ہوئے ملاّحوں اور ہمارے کسل کو جلانے والی

آواز آئی فاصلے سے
آواز آئی دُور کے فاصلے سے
او چونکہ
چونکہ ہم جرموں کا ارتکاب نہیں کر سکتے
ہم دہشت کے اعداد و شمار ہیں
دہشت کے اعداد و شمار
ہم شہوت کا اعلان ہیں شہوت کا اعلان
ہم جرموں کا ارتکاب نہیں کر سکتے
او چونکہ
ہم افراد نہیں
ہم بھیڑ ہیں ۔ ہم گروہ ہیں
ہم گروہ ہیں مجسّم
آواز آئی آنسوؤں میں سے
آواز آئی ایک اکہرے قطرۂ اشک میں سے
ہر وہ شے جو غریب ہے اس سے غریب تر
ہر وہ شے جو قابلِ رحم ہے اس سے زیادہ قابلِ رحم
دلوں کی سفید حرارت سے سفید تر
اس کے دکھوں سے شدید تر
جو دو ہزار سال ہوئے اکیلا مر گیا

محبّت لفظوں کے اندر
جیسے صرف شاعروں نے دریافت کیا
اس گمشدہ محبّت میں گھستی
دُنیا کے سب سے زیادہ جوش کھاتے
آبشار سے زیادہ جھجھاتی
دُنیا کے سب سے زیادہ سُوکھے ہُوئے گڑھے میں نیچے کودتی
ہماری طاقتوں کو ذایل اور جلدوں کو سیاہ کرنے والی
ہمارے ایمانوں اور بوسوں کو تباہ کرنے والی
آواز آئی آنسوؤں میں سے
آواز آئی ایک اکہرے قطرۂ اشک میں سے
او چونکہ
چونکہ ہم محبّت کرتے ہیں اس لیے
تباہ نہیں کر سکتے
ہم تعشّق کی تدبیر ہیں تعشّق کی تدبیر
ہم بحُران کا علم ہیں بحُران کا علم
محبّت سے ہم تباہ نہیں کر سکتے
او چونکہ
ہم افراد نہیں
ہم بھیڑ ہیں، گروہ ہیں

ہم گردہ ہیں مجسّم
آواز وقت سے اُوپر اُٹھ گئی
آواز ایک اکہرے لمحے سے اُوپر اُٹھ گئی
ایک مستقبل کے ساتھ جو کسی بھی ماضی سے زیادہ
ہیبت ناک ہے
ایک ماضی کے ساتھ جو کسی بھی مستقبل سے
زیادہ تابناک ہے
خُدا کے رحم سے زیادہ پُرجوش
وقت الفاظ کے اندر
جسے صرف شاعروں نے دریافت کیا
اس گم شُدہ وقت میں اُترتی
دُنیا کے زرد ترین رخساروں کو چُومتی
شام کے سُورج کو دُنیا کے بوسیدہ ترین افق پر ڈبوتی
ہماری لاشوں اور ہمارے اجاڑ ریڈیو سٹیشنوں کو
خراب کرنے والی
ہماری سانس اور ہمارے خُون کی جھُوٹی گواہ
آواز وقت سے اُوپر اُٹھ گئی
آواز ایک اکہرے لمحے سے اُوپر اُٹھ گئی

او چونکہ

چونکہ

ہم مر نہیں سکتے

ہم امرتا کا اشتہار ہیں

امرتا کا اشتہار

ہم مبذّری کی راج نیتی ہیں مبذّری کی راج نیتی

ہم مر نہیں سکتے

میں آواز سُنتا ہوں

اور آخر کار مجھے اپنی ماں کا حمل ہوگا

ہم آوازیں سُنتے ہیں

گدھ ہماری لاشوں کو نوچیں گے

وہ آواز سُن رہی ہے

اور میری ماں موت کو جنم دے گی !

تانی کاواشنتارو TANIKAWA SHUNTARO

(پ ۱۹۳۱ء)

جب ہوا تند و تیز ہو

جب ہوا تند و تیز ہو تو لگے
یہ زمیں جس طرح کسی کا پتنگ
پر سحر دو پہر کے وقت سے یہ
لوگ دیکھیں کہ رات ہو بھی چکی
کیا ضرورت ہوا کو لفظوں کی
گڑھے لیکن لگائے جب چکر
یہ فضاؤں میں گردباد آسا
میں مگر سوچوں ان ہواؤں کا
جو چلیں دوسرے ستاروں پر
سوچوں ممکن ہے دوستی ان سے؟
اس زمیں پہ ہے رات بھی دن بھی
کیا کریں تارے درمیاں اپنے
بے زباں، پھیلتے مگر کیسے

یہ قیام و دوام ہے ان کا
کیا اساس اور پائیداری کیا ؟
کرتے ہیں وہ یہ کس طرح برداشت ؟

جھوٹی باتیں کرے ، دروغ کہے
جو کہے چرخِ نیلگوں دن میں
رات جب سچ بولتی ہے اس ساعت
آہ ہم محوِ خواب ہوتے ہیں
صبحدم ہم تمام کہتے ہیں :
خواب دیکھا ہے رات کو ہم نے !

دوارب روشنی کے سالوں کی علاحدگی

نسلِ انسانی اپنے چھوٹے سے کُرے پر
سوتی ہے ، جاگتی ہے ، کام کرتی ہے -
مرّیخیوں کی رفاقت کی گاہے گاہے آرزو کرتی
مرّیخی اپنے چھوٹے سے کُرے پر
کیا کرتے ہیں ؟ نہیں معلوم !
غالباً ساتے ہیں جوگتے ہیں کوم کرتے ہیں

لیکن گاہے گاہے زمین کی رفاقت کی آرزو کرتے ہیں
یہ یقینی ہے
کائناتی کشش ثقل
فصل و تفرّد کی طاقت کا باہمی تجاذب ہے
کائنات باہر سے پھیلتی ہے
اور سو ہم سب اپنی ضرورتوں کو متحدّ کرتے ہیں
کائنات اندر سے پھیلتی ہے
اور سو ہم سب بے چین ہیں
دو ارب روشنی کے سالوں کا فصل و تفرّد
بے اختیار ایک چھینک کا
باعث بنتا ہے

بجیا

بجیا!
کون آرہا ہے بالاخانے میں؟
یہ ہم ہیں جو آرہے ہیں
بجیا!
کون پک رہا ہے زینے میں؟
یہ ہم ہیں جو پک رہے ہیں بھیّا!
تم اور میں، ابّا اور امّی
باہر قحط ہیں
ہم کام کر رہے ہیں
کون کھا رہا ہے روٹی میز پر؟
یہ ہم ہیں جو کھا رہے ہیں
اپنے ناخنوں سے اسے نوچتے
تب کون پی رہا ہے تمہارا خون؟ بجیا!
یہ ایک آدمی ہے جسے تم نہیں جانتے
ایک لمبا تڑنگا آدمی، خوش آواز خوش لہجہ
بجیا! بجیا!
اوپر چُبارے میں تم نے کیا کیا؟

اس نے اور میں نے ایک پڑھنت پڑھی
تاکہ کہیں ایسا نہ ہو ہم سب مر جائیں
اور پھر؟
اور پھر میری چھاتیاں بڑھیں گی
ہم میں سے ایک اور کی خاطر
وہ کون ہے؟
یہ تم ہو یہ میں ہوں
یہ ابّا ہے اور امّاں
تب کون آئے گا رات کو
جب ہم اپنی عبادت کرتے ہیں؟
کوئی نہیں!
مرغِ بادنما کے اُوپر
کوئی نہیں!
راہ کی ڈھول کے اس پار
کوئی نہیں!
شام کو، کنوئیں کی مینڈ پر
ہم سب یہاں ہیں!

کی جی ماہاجی مے

KIJIMA HAJIME

دائرے سے باہر

میرے نغمے کے جو الفاظ ہیں ان میں ہے بھری
مستقل قوّتِ مقناطیسی
ہر جگہ جس کا نفوذ
اد بدا کر یہ ہر اس شخص کو کھینچے جس میں
آدمیّت کی تنک بھی ہو رمق
ماننا چاہوں میں یہ بات مگر
میرے الفاظ کی ہیں سخت حدیں جن کے پرے
خیر و شر، ظلمت و ضو، حسن و صداقت، غایب
ہوں کوئی نام و نشاں چھوڑے بغیر
میرے لفظوں کی رسائی نہیں جس دُنیا تک
ہے وہ بے انت، ہے وہ لامحدُود
اس جگہ میرے لیے کچھ بھی نہیں ہے گرچہ
صاف پنہاں ہیں وہاں مقناطیس
نغمہ جن میں سے دمکتا ہے مرا

ماساکو
MASAKO

مستقبل

برہنہ پاؤں کو شبنم سے تر کرے شبِ جُون
جوان عاشقوں کی اوّلیں ہم آغوشی
ابھی تو عشق کو بننا ہے ایک بارِ گراں
حروفِ مُردگاں سے قطرہ قطرہ گرتے ہیں
سفید پھُولوں سے کھیتوں کا شب کے سانس رُکے
شگوفوں سے بھرے کھیتوں میں وہ کریں گلگشت
ہر ایک بوسۂ تازہ پہ شب کے عرش گریں
شفق کے کان سُنیں ایک مُردہ شخص کے لفظ
کٹی ہے جتنی مسافت، کیا ہے فاصلہ طے
جو تُم نے اب تلک، اس سے ہے دُور تر فردا!

ہائیکو

HAIKU

ہائیکو بنیادی طور پر ہائیکا HAIKA صنفِ سخن کا سبب تھا۔ جو سولھویں صدی کے آغاز میں وجود میں آئی۔ یہ عموماً ۳۶، ۵۰ اور ۱۰۰ مصرعوں پر مشتمل نظمیں ہوتی تھیں ان کا پہلا مصرع ہوکو HOKKU (مطلع، سرآغاز) کہلاتا تھا۔ یہی بعد میں الگ اور خود مختار ہو کر ہائیکو کی شکل اختیار کر گیا۔

(ساتویں آٹھویں صدی تک جاپانی شاعری کی تین منفرد اصناف معرضِ وجود میں آچکی تھیں

چوکا CHOKA طویل نظم

تانکا TANKA مختصر نظم

سیدوکا SEDOKA

بارھویں صدی کے اوائل میں رنگا کو فروغ ہُوا۔ یہ بہت سے تانکاؤں کا مجموعہ ہوتا تھا۔

ہائیکے HAIKE مزاحیہ رنگا کا نام تھا)

جاپانی فن کی یہ خصوصیت کہ وہ اشیاء کے مابہ الامتیاز کو گرفت میں لے کر مختصر ترین اور سادہ ترین شکل میں اس کا اظہار کرتا ہے — ہائیکو میں غالباً سب سے زیادہ نمایاں ہے۔

آرو

ARO

(۱۸۷۹ــــ۱۹۵۱)

ہے عمق سے تہی بہار ابھی
کر رہی ہے سفر ہوا ہی فقط
پیڑ سے پیڑ تک بحدِّ نظر۔

ـــــــ

ایک بلبل پکارا
پکارا نہ پھر بعد میں وہ
گرے جھٹپٹے میں سے برف!

ـــــــ

گُلِ داؤدی کا باغ
اس کی گہرائیوں میں دھند کے بادل چھائے

ـــــــ

چاندنی رات
دریا کنارے
کے کھیتوں میں چلتے

ـــــــ

اِسّا

ISSA

(۱۸۲۷ — ۱۷۶۳)

آکھیل میرے ساتھ آکر
بے ماں کی اے نوعُمر
چِڑیا !

پہلا جھینگر :
کمینی کمینی ہے دُنیا
کمینی کمینی کمینی

میری پیاری مَری ہُوئی امّاں
دیکھوں ہر بار جب سمندر کو
دیکھوں ہر بار جب سمندر کو

اے کوکو !
میرے لوٹنے تک
میرے چھپّر کا دھیان رکھنا !

پہلے جگنو !
جا رہے ہو لوٹ کر تم کس لیے ؟
یہ تو میں ہوں ، بیوقوف !

بانسوں کی چھاؤں میں ہے گرچہ گرمی
جب چاند چمکتا ہے ، مری کُٹیا ، آہ !

ننگا ، ننگا
گھوڑے پر
برستے مینہ میں

لیمپ کے تیل میں منعکس
چہرہ اُس نار کا
جلتے مچھّر !

برکھا بہاراں کی
نخوردہ بطّخیں
قیں قیں کریں

دُنیا ہے شبنم
دُنیا ہے شبنم
پھر بھی —— تاہم

راج ہنسو! راج ہنسو!
نکلے تھے جب تم سفر پر
تھی تمہاری عمر کیا ؟

اُس نے بچّے کو سُلا دیا ہے
اور اب کپڑے دھوتی ہے
گرمیوں کا چاند!

مری زندگی کی خزاں
اور با ایں ہمہ
چاند ہے ایک بے عیب چاند

سُبکیاں بھرتا ہے بچّہ :
دو اسے لا کر مجھے
بدرِ مُنیر!

تتلیاں بھی ہماری اس دُنیا
میں ہیں فکرِ معاش میں مصروف

دے کے بستر میں بال کو چھاتی
ماں یہ گنتی ہے پھُول سے تن کو
پسّوؤں نے کہاں کہاں کاٹا ؟

بُدھ کا قانون یہی ہے ورنہ
اوس پھولوں پہ چمکتی نہ کبھی

چلیں ہم اس ہماری دنیا سے
چھت پہ دوزخ کی، تکتے پھولوں کو

آہ پت جھڑ کے چمکیلے چاند
آج تو تم بھی جلدی میں ہو!

کسی پچھلے جنم میں
نہیں تھا غالباً کیا
کزن گوگو! میں تیرا ؟

دیکھ گھونگھے دیکھ
او
دیکھ اپنے سائے کو

یُوں لگے جیسے اُلّو
ہونا رُدا ہونا رُو!
کریں جگنوؤں کو

اپنی کُٹیا کو لے کے عاریتاً
پسّوؤں، مچھّروں سے، میں سویا!

کُنج کے سائے میں اکیلی نار
دھان بونے کا گیت گاتی ہے

اس جہانِ بے بقا میں
ایک ننھّا سا پرندہ بھی
کرے تعمیر اپنا آشیاں

اس خزاں کی شام

میرے پاس بھی

اپنے رہنے کو مکاں کوئی نہیں !

شبنم کی دنیا

تاہم

شبنم کے قطروں کے اندر

تصادم

ہیں جہاں پر مکھیاں

انسان ہیں بدھ ہیں وہاں

گھنٹیاں اپنی بجائیں کیڑے

باز بالائے فلک رقص کریں

اور ہے امن و سکوں دنیا میں

کیڑو ! مت شور کرو

عاشقوں بلکہ ستاروں کو بھی

نہیں فرقت سے مفر

ماہِ تابانِ خزاں
بیٹھا دوزانو
ایک بُدّھا کی طرح

موت آجائے جب مجھے ٹِڈّے!
مری تربت کی پوکسی کرنا!

دوسرے پھر مجھ سے بازی لے گئے
پت جھڑ کی سانجھ!

یہ سُن کر: "کوئی گھر پہ ہے؟"
اپنے کپڑے پہنتے ہُوئے
اوہ! گرمی

کوئی نہ کوئی
کہیں نہ کہیں
اس چہرے میں کچھ نہ کچھ بات ہے
— ہاں یاد آیا۔ ناگ!

خزاں کی ہوا
یہ عنابی پھول
مرا بچہ جو مر چکا
انھیں توڑنا چاہتا

منعکس پتلیوں میں
ڈریگن فلائی کے
کہسار وہ دور کے

یہ خنکی
درِ خلد ہے

گلہائے داؤدی
ساتھ ہی (دوشِ ہوا پہ) آتی
بساند بول کی

وہاں پر ہے بیت الخلا
کہے توسنِ بادپا
شبِ سرد دہرِ شتا !

اگر کوئی آجائے تو
ٹھنڈے ہوتے تربوزو !
بن جاؤ مینڈک

اڑیں چمگادڑیں (وہ شپّرہ چشم)
بے پرندوں کے ایک قریے میں
وقت کھانے کا جب ہو شام ڈھلے

اپنے قیلولے میں، میں سُنتا ہُوں
زمزمہ دھان بونے والوں کا
اور ہوتا ہُوں خود سے شرمندہ

شام کی خنکی
خبر اس کو نہیں مطلق کہ دیتا ہے گجر
ہم کو پیغامِ وداعِ زندگی

گرد میری گُڑیا کے
ہے جو دُوب اُس پہ بھی
گرمیوں کے دُبلاپے
کا اثر ہویدا ہے

وہ ننھّا بچّہ
پر جب وہ ہنسا !
اک شام پت جھڑ کی

کسی کو بولتے سُن کر
چھلانگیں جونکیں نیچے
گنجِ سرما میں

بے شور و غل کئے رَن[۵]
روزی کمائے اپنی

سانجھ کے چاند میں
گھونگھا ہے کمر تک ننگا

---

۵ WREN

کس گھڑی کس سمے یہاں آیا
میرے اتنا قریب یہ جھینگر ؟

ننھّی چڑیا!
یہ جُوئیں چُننے میں کر میری مدد

مرے کان کے پاس مچھّر بھی بھن بھن کرے
سمجھتا ہے بوڑھا مجھے وہ ضرور
اپنی دانست میں

اب تعلّق نہ رکھّوں گی اور ، اس
فرسودہ دنیا سے میں
اوس یہ کہتے کہتے
لڑھک کر چلی !

بس زندہ ہیں
ہم دونوں
میں اور گُوکنار

نرخ چاول کا گھٹنا
بتدریج
گرمی یہ گرمی!

چمکتی شبنم کے موتیوں کو
کر دکچل کر نہ ریزہ ریزہ
جنابِ ٹڈّا!

صبح کا سُرخ آسماں
او گھونگھے!
بتلا کیا خوش و خرّم ہے تُو؟

(صبحدم سرخ آسماں، گھونگھے!
کیا تمہیں شادماں نہیں کرتا؟)

بوڑھا ہو جب آدمی
کرتے ہیں رشک اس پہ لوگ
سردی لگے اوہ پر

قفس میں بند پرندہ نگاہِ رشک سے دیکھے
چمن میں رنگ برنگی حسین تتلی کو اڑتے

یہ چاند ہے
اور ؔاول چیخ رہے ہیں
دریا چُپ چاپ بہ رہا ہے

سرخ کپڑوں میں
میلے کو جاتی
ڈریگن فلائی

کھانا کھاتے ہُوئے اکیلے میں
چل رہی ہے خزاں کی رُت
کی ہوا

میں" اکیلا ہوں" میں نے تبلایا
اُس نے کھاتے میں اندراج کیا
(درج اس نے کیا رجسٹر میں)
کتنی ٹھنڈی ہے رات پت جھڑ کی

کیڑے مکوڑوں میں بھی اس سنسار میں
ہیں کچھ خوش گلو کچھ بے سُرے

کیڑوں کا شور وشغب
رخنہ اک دیوار میں
کل جسے دیکھا نہ تھا

کرتا ہے چکّی راہا !
کھٹ کھٹ اسی جگہ پر
دن ہو رہا ہے پُورا

چیونٹیوں کی یہ قطار
یہ ہے ان مواج ابروں سے رواں

شام کے چاند تلے
وہ زیارت کریں قبروں کی
مزا لیتے ہُوئے خنکی کا

ایک مچھر کی بھنبھناتی جھلک
اب سے اک پیر مرد کی دُنیا !

اک بات مبارک بادی کی سُن لو
اس سال کے مچھّر نے بھی کاٹا مجھ کو

چلے خزاں کی ہوا ، اک فقیر دیکھے مجھے
کرے وہ اپنے سے شاید موازنہ میرا

فجیُ پربت پہ چڑھ گھونگھے
مگر آہستہ آہستہ !

جھنگاریں اس طرح جھینگر
کہ میرا جھونپڑا بن جائے گا
سنگِ گراں شاید

بادِ خزاں
کیا کیا خیال آتے ہیں اِسّا کے (سُلگتے) ذہن میں !

گونجیں ہیں
کنجِ زمستاں میں
بہت پہلے، بہت پہلے کی

یہ آگ کوئلوں کی، بس
ہمارے سال گھٹتے ہیں
بعینہٖ اسی طرح

آئی اک تیتری اور آکے اڑی
باغ کی ایک تیتری کے ساتھ

خزاں کی ہے ایک شام میری
شکایتوں کی شریکِ تنہا
بس ایک دیوار

اگر فقط وہ یہاں پہ ہوتی
وہ جو ہے میری شریکِ شا کی
یہ آج کا چاند

وہ بلا نہیں ہے جسے یہ خبر کہ
خزاں آچکی ہے
ہے بُڈّھا

لوگ البتّہ

پہ
کوّے ہنکنے بھی تو
نہیں ہیں راست قد

ٹھنڈ آتی ہے کہاں سے ؟
اوے کوّے ہنکنے !

پیڑ جو میں نے صنوبر کا لگایا تھا کبھی
وہ بھی بوڑھا ہوگیا
شامِ خزاں

بچّو ! بچّو !
مت پکڑو پتّو !
بچّوں کے ساتھ

کیا یہی ہے اب سے اسے دَورِ زماں
زندگی بھر کے لیے میرا مکاں
برف کے یہ پانچ فٹ ؟

ٹڈّو میں اب جا رہا ہوں باہر
آرام سے سارے مل کے کھیلو !

ان پہاڑوں کو دیکھا مرے باپ نے بھی
یہ قیدِ زمستاں !

ٹھنڈی ہوائیں، مستی
میں گا رہے ہیں جھینگر !

جب میں مر جاؤں تو
نغمۂ مرگ گانا مرا
اوئے کنکوڈرِی !

ہمالیائی کوکو۔ جو گھنے جنگلوں میں رہتی ہے۔ اور اس کی آواز دو میل تک سے سُنی جا سکتی ہے۔!

KANKODORI ۵

اس ہماری سرزمیں میں
گھاس پر بھی لگتے ہیں
پھول چیری کے شگوفوں کی طرح

راستے سے ہٹ جا
راستے سے ہٹ جا
ننھی منّی اے چڑیا
آرہا ہے اسپِ شہ!

لہریں گرمی کی
اس کا ہنستا ہوا چہرہ
مری آنکھوں میں رمے

کم ہیں تعداد میں لوگ
ایک پتّا یہاں گرتا ہے وہاں گرتا ہے

عالمِ پیری میں کوّے ہنکنا کے سامنے بھی
شرم آئے مجھ کو اپنے آپ سے

خامشی
جھیل کے سینہ میں !
چوٹیاں بادلوں کی

کُتّے برفانی رستے
پہ ہٹ جاتے ہیں راہ سے
از رہِ مہربانی !

رات کے وقت جھونپڑا میرا
کرے کُھدبُد ، ادھر ادھر جھینگر

پہاڑی مندر
برآمدے میں ہے آواز بارہ سنگھے کی !

O

اِسّے کیرو ISSEKIRO

(پ، ۱۸۹۴)

وہ پیڑ کاٹ کے نیچے گرا رہا ہُوں جیسے
میں دیکھتا ہُوں جو اُوپر تو شانت ہے کتنا!

وہ گھوڑا کیا جس نے اک آدمی کو ہلاک
ہے اصطبل میں اس کا چہرہ
شرافت بھرا، پُرسکوں

اِسّو ISSO

چل رہے ہیں اکٹھے دھند میں وہ
دل گرفتہ و غم زدہ دونوں
اور دل اِن کے گھُل کے ایک بنے

○

اِتّو

ITTO

ایک مرد اور اہلیہ اُس کی
ہاتھ گاڑی دھکیلتے دیکھو
دونوں اک دوسرے سے کچھ کہتے!

ای چوُ

ICHU

($\frac{۱۶۳۹}{۸}$ $\frac{۱۷۱۱}{۱۶۹۲ ؟}$)

صُبحِ گرما کو جگایا جس نے کیا وہ رعد تھی ؟
ایک چوُہا گڑگڑائے سر کے اُوپر سقف میں

بہار کے مہینہ میں بیدِ مجنوں ہی سب سے پہلے
ہمیں پیامِ غنودگی دے!

○

آلکیگودو ALKIGODO

گھٹنے کے ساتھ گھٹنا
چندا چمک رہا تھا
سردی تھی کس قدر اُف !

پھر سے اک بار مجھے بننا ہے
صرف میں، خالص و محض اپنا آپ
آخرِ فصلِ بہاراں کے برستے مینہ میں !

اوتوکُونی OTOKUNI

(اس نے مرض الموت میں باشو کی تیمارداری کی،

آہ کیڑو اکیڑو !
کیا رو کر تم اپنے کرم سے
نجات پا سکتے ہو ؟

اَتسُوجِین ETSUJIN

(۱۶۵۶—۱۷۳۹)

پھُول یہ کوکنار کے دیکھو
کس قدر خامشی سے گرتے ہیں

سال جاتا ہُوا ، دھولے اپنے
اپنے والد سے چھُپائے میں نے

درو دِ خزاں

نہ تنہا نسیمِ خزاں ہی میں محسوس ہو

گگر کے گرتے کنارے کے زرد رنگ گلاب

کوئی چیز لکھتا

پھر اس کو مٹاتا

گلُ لالہ

فیصلہ جب کر لیا ہے ترکِ الفت کا (تواب)
پیار کرتی بلیّوں پر رشک آتا ہے مجھے
(جب مجھے کرنا ہی ٹھہرا ترکِ عشق
پیار کرتی بلیّوں پر رشک کیوں آئے مجھے!)

اس کی آواز اب بھی شیریں ہے
گو کہ بیٹھی ہوئی ہے نزلے سے

اوئے مارو OEMARU

(۱۷۲۲ — ۱۸۰۵)

-

(اس کو کیٹو کو کو بھی کہتے ہیں)

اے کہر! گہر!
گُل داؤدی کے بعد
اب کوئی پھول نہیں

اس کی جو بھی پاشنہ کوبی کرے
جگنو اس کو نُور دے
(روشنی دیتا ہے جگنو اپنا پیچھا کرنے والے شخص کو)

اُنیت سُورا ONITSURA

(۱۶۶۱ — ۱۷۳۸)

تبدیلِ لباس کا وقت
میں نے ابھی اُتاری نہیں
پوشاک دُنیا داری کی

دلبر نہیں گو کوئی مرا پھر بھی مجھے
تبدیلِ لباس میں مزہ آتا ہے

کس شے سے فریب خود کو دیتا ہے
یہ مجمع یہ ہجوم لوگوں کا؟

ہے خزاں، تکتا ہوں پورے چاند کو
گود میں میرے کوئی بچہ نہیں
(میرے گھٹنے پر کوئی بچہ نہیں)

ایک گرم دن
ٹھٹھرے جاڑے کی دھوپ میں لیکن

گلستاں میں بہار کا دن ہے
چڑیاں چہکاریں، غسلِ ریگ کریں

یہ اگر گرمیوں کا موسم ہے
آؤ دیں شیت کال کو آواز!
بعض لوگ اس طرح بھی کہتے ہیں

آلوچے کے شگوفوں
کی معرفت کی خاطر
دل اپنا، ناک اپنی

بیدِ مجنوں نہیں کوئی گور پر
پھر بھی ہے اندوہگیں

سامنے ہے جو پہاڑ ہے وہی تو
آج کی گرمی چلی گئی ہے جہاں

صبا نرم و خنک ہے
صنوبر کے درختوں کی صداؤں سے
بھرا ہے آسماں کا گنبدِ خالی

ہم تو غلام ہیں / خاموش پھول بھی
کرتے ہیں گفتگو / اندر کے کان سے

چاند آج کا، ایسا بھی
کیا ہوگا کوئی جو قلم اپنا نہ اُٹھائے

نہانے کے پانی کو پھینکیں کہاں ؟
ہے ہر اور کیڑے مکوڑوں کا شور

ان کے ڈھانچے ریشم و اطلس میں لپٹے
دید آلوچے کے غنچوں کی کریں

وادی میں ایک ندّی
پتھّر بھی گیت گائیں

کھِلتے ہُوئے پہاڑی
گیلاس کے درختوں
کے نیچے (زیرِ سایہ) !

اِیزن IZEN

(۱۷۱۱ - ۱۶۴۶)

رات ہوتی ہے گہری
وہاں دھان کے کھیتوں پر
کہکشاں !

پڑے بوچھاڑ
میں اندر بھاگوں
صاف ہو اتنے میں مطلع

کہر آلود شب
میں کہ ہوں بھوک کا عادی
مزے سے سوتا ہوں !

لہر کے بعد لہر
چھوڑے ساحل کو

اوتسویو OTSUYU

ہیں برگِ ریختہ میں کوّے ہنکنے ملبوس
خزاں میں آگئی شدّت !

ہم میں رہی ہے دوستی
اور اب بچھڑنا ہے ہمیں
اے پیارے کوّے ہنکنا !

باکوسوئی BAKUSI

(۱۷۱۸/۲۰ — ۱۷۸۳)

خزاں سے رنگا اُس نے اپنے بدن کو
ڈریگن فلائی

گھر کو جاتے ہُوئے
مختلف راہ سے
یہ بنفشے !

بوشا

BOSHA

(۱۹۰۰ — ۱۹۴۱)

اک دلہن
جنگل میں سے آتی ہوئی
چاندنی سے جگمگاتا راستہ

دوڑتے پھرتے ہیں اوس کے دانے
اک مہیں قطرہ رہ گیا پیچھے

دیکھ کر اوس کا گولہ
چیونٹی ہے ہیبت زدہ
دم بخود

شبِ گرما
ہمہ شب
پیٹھ پر اپنی بناتا ہوں پسینے کی صلیب

میری کھانسی چھوڑ کر پیچھے مجھے
بھاگتی پھرتی ہے جنگل میں کہیں

جب مجھے دورہ پڑے کھانسی کا
تو میں مثل آتشی گولے کے بنوں !

میں نے یوں گھاس پر قدم رکھّا
پاؤں جیسے کہ بادلوں پہ دھروں !

ایک عورت

جڑی بوٹیاں جو اکٹھی کرے
کمر پہ اُٹھایا ہُوا اُس کا بچّہ
بدلتا ہے پتھّر میں کیسا !

ہے تکیہ سخت میرا سنگ آسا
کوئی جھینگر ہُوں میں جو اتنا اُونچا
بولتا ہُوں

باشو
BASHO

(۱۶۹۴ – ۱۶۴۴)

"میں جب گذشتہ سالوں پر نظر دوڑاتا ہوں۔ میرے بے ہنگم وجود سے جو خطائیں سرزد ہوئی ہیں۔ ان پر غور کرتا ہوں۔ تو مجھے یاد آتا ہے کہ ایک وقت میں میری یہ شدید تمنا تھی کہ میں خطیر مشاہرے پر ایک بڑا سرکاری عہدہ دار بن جاؤں۔ دوسرے وقت میں نے بُدھ خانقاہ میں داخل ہوکر گیان دھیان کی زندگی بسر کرنی چاہی۔ لیکن اس تمام دوران میں میں نے پُر آلام آوارہ گردی کی زندگی گذاری ہے۔ ہوا اور بادل کے ساتھ، پھولوں اور پرندوں پر نظموں میں دماغ کھپاتے ہوئے۔ اگرچہ مجھ میں نہ وہبی صلاحیت ہے نہ ہنرمندی۔ پھر بھی چونکہ یہ میرا ذریعۂ معاش بن چکا ہے۔ اس لیے میں نے اب اپنے آپ کو کلّیتہً اس فن کے لیے وقف کر دیا ہے۔"

اوہ دریائے آوئی!
ابرِ باران مئی کو لے جا
ہانک کر دُور کہیں، دُور کہیں!

سرسوں کے کھیت میں
سیرِ گُل کرتے پھرے
اوہ ! چڑیاں !

تنکوں کی ایک چٹائی سے ڈھکا
کون ہو سکتا ہے یہ ؟
یہ بھڑکدار بہار ؟

یہ دامِ ہشت پا
خوابِ گریز پا
گرما کے مہ تلے
(خواب ہائے گریز پا اپنے
تہِ مہتابِ موسمِ گرما)

اگر اپنے ہاتھوں میں لے لوں میں ان کو
تو یہ بال پگھلیں خزاں کے کہر کی طرح
میرے جلتے ہوئے آنسوؤں میں !

کل خاندان کرتا زیارت قبور کی
اسپید مُو جھکے ہوئے اپنے عصاؤں پر

کوئلیں
اب چُپ ہیں سب

ایک بیمار و ماندہ جنگلی بط
رات کی ٹھنڈ میں زمیں پہ گرا
اور اپنے سفر میں، میں لیٹا!

ہوگئی ہیں (دیکھو) چھوٹی
گرمیوں کی
بارشوں میں ٹانگیں سارس کی

بُدھ کے جنم دن ایک ہرنوٹا ہُوا پیدا
ہے دل خوش کُن یہ کیا!

غریب لڑکا
چاول پیتا
چاند کو تکتا ہے

خزاں کا ماہِ کامل
آہنی پھاٹک تک
کف آلودہ ہلورے

جاڑے کے طوفان نے بانسوں میں
خود کو چھپایا اور اس کو قرار آگیا

ابتدا ہے خزاں کے موسم کی
یہ سمندر ہے وہ زمرّد دھان
ایک ہی سبز رنگ دونوں کا

کُوکُو
کوک اس کی
محیطِ آب ہے
(کُوکُو
گُونج اس کی
پانیوں پر پھیلی)

راہ بالائے خلابِ کوہی
(راستہ وحلِ خزاں کے اُوپر)
آ رہا ہے مرے پیچھے کوئی ؟

ابھی بھی زندہ ہوں آوارہ گردیوں کے بعد
خزاں کی رُت بھی تو اب ختم ہونے والی ہے
(اختتامِ سفر پہ زندہ ہنوز
آخرِ موسمِ خریف کی شام)

سُنتا ہے گرا ہے مزار تو ہو جُنباں
ہے بادِ خزاں مری صدائے گریاں
(کسی دوست کی موت پر)

پہاڑی راستے پہ چلتے میرے دل کو بھریں
بنفشے ایک عجب آرزوئے مبہم سے
(پہاڑی راستے پر اک بنفشے کو
میں دیکھوں چشمِ حسرت سے)

خدا غائب ہے

اس کے مردہ پتّے اڑ رہے ہیں
جو بھی ہے مہجور و ویراں ہے

خزاں کی ہوائیں چلیں

چھال اخروٹ کی لیکن
اب بھی ہے (بالکل) ہری

اختتامِ خزاں

کیسے رہتا ہے وُہ
شخص جو ساتھ کے گھر میں ہے؟

(گھری خزاں

ہمسایہ میرا
کس طرح رہتا ہے وُہ؟)

مرے مرکب نے مرِ راہگذر
کر لیا نوش گلابِ شاروؔن

(گلابِ شارون

رہگذر کے کنارے
گھوڑے نے کھا لیا ہے!

شارون (SHARON) کا گلاب کوریا کا قومی پھول ہے

چاہے کمزور ہو چاہے چھدرا
گُلِ داؤدی مگر پھُوٹے گا

مسافر مرا نام ہوگا
زمستاں کے پہلے ترشّح کے بعد
(زمستاں کا پہلا ترشّح
مرا نام ہوگا مسافر)

کھاڑی پہ ہے بلاشک
آمد بسنت رُت کی
ہر ڈال نے لگائی
ہے پھُولدار کلغی

مہکا رہی ہے تیتری اپنے پروں کو بوستاں کے عطر میں
(ہوائے اک معطّر باغ تتلی کے پروں میں باس اپنی)

پُشتِ رہوار پہ مرا سایہ
رینگتا نیچے منجمد ہوتا !
(جاڑے کا دن

مرے گھوڑے کی پُشت پر
ایک سایہ بیٹھا ہے منجمد ہوتا
(جاڑے کا دن
گھوڑے کی پیٹھ پر جما
محض میرا ایک سایہ)

رات ہے کڑکڑاتے جاڑے کی
میں مگر شادمان و سرخوش ہُوں
کیونکہ ہم ساتھ ساتھ سوتے ہیں

کونسے پیڑ پہ بہار آئی
میں نہیں جانتا مگر یہ مہک ؟

سسکارتے آنسو
راکھ میں دبی
کوئلوں کی آگ کو بجھا دیں گے

کہاں چاند
مندر کی گھنٹی
سمندر کی تہ میں
ہے ڈُوبی پڑی!

فصلِ گل
ایک بے نام کہسار
لپٹا ہُوا صبح کی دُھند میں

چاند اے فصل کے میں ساری رات
گشت جوہڑ کے گرد کرتا ہُوں

جاڑے کی مہاوٹ
گونسالے پہ گرتی
مرغے کا بُلارا

نکلنے ہی والا ہے
قمر — جتنے حاضر ہیں
(یہاں آدمی) امشب
ہیں گھٹنوں پہ ہاتھ ان کے

محوِ نالہ اپنی آنول نال پر
اپنی جنم بھومی میں
ختمِ سال پر

ہو کے اپنے ساتھ والوں سے جُدا
ایک وحشی قاز اپنی راہ لے
اور جھٹ سے بادلوں کے پار ہو

کس قدر قابلِ ستائش ہے
جو نہ سوچے : "ہے زندگی گزراں"
جب وہ بجلی کو کوندتا دیکھے

لگے گیلاس کے شگوفوں کی
نہیں برگد کے پیڑ کو پروا

(بے خبر) کس قدر جلد مر جائے گا
لیکن اس کی علامت نہیں کوئی
جھینگر کی آوازیں!
(جلد ہی ان کی قضا آ جائے
لیکن آوازِ ملخ میں
کوئی آثار نہیں ہیں اس کے)
جھینگر! تمہاری شادماں آواز سے
اندازہ کر سکتا ہے کوئی اس قدر
ہی جلد تم مر جاؤ گے؟)

درمیاں گرمیوں کے پیڑوں کے
یہ جو حجرہ ہے کھٹ بڑھئی بھی
اس کو پہنچائے گا ضرر نہ کوئی

سکوت
گمکار جھینگروں کی
(سیہ) چٹانوں کا سینہ چیرے

(اتنی چپ
جھینگروں کی صدائیں
چٹانوں میں ڈوبیں)
(خموشی
صدا جھینگروں کی
چٹانوں میں ڈوبے)

ابتدا شاعری کی آوشو میں
زمزمہ دھان بونے والوں کا

ہرے پتے نکلتے ہیں کاش آہ
پونچھ سکتا تمہاری آنکھوں سے
میں یہ روشن چراغ سے قطرے!
(ہیں تازہ سبز پتے
آنکھوں سے اس کی قطرے
چاہوں کہ پونچھ دوں میں)

پھول تربوز کا نہ ہے قدرت!
سانجھ کا ہے نہ ہے سکارے کا

اسس خزاں
ہو رہی ہے مری عمر کتنی ؟
گھٹائیں ، پرندے !
(اس خزاں میں ہو بڑھاپا محسوس
بادلوں اور پرندوں میں مجھے
میں اسس خزاں کیوں ہو رہا ہُوں
اسس طرح بوڑھا ؟
اڑتا ہے پنچھی
اک بادلوں میں)

اسس رہگذر پہ
کوئی مُسافر
چلتا نہیں ہے
شامِ خزاں ہے
(ایک شامِ خزاں
اس سڑک پر نکلتا نہیں ہے کوئی)

صبح کی اوسس میں گندہ لیکن
تر و تازہ تربوز کیچڑ بھرا

آؤ بچّو ہم دوڑیں بھاگیں
اولوں کے موتی!

سالکے پیتیا ہوں
ہوتا ہوں بیدار تر
برف کی ایک شب

بہار ہوتی ہے ختم جلدی
پرندے روئیں گے جب کہ ہیں
مچھلیوں کی آنکھوں میں سرخ آنسو!

ایک گُل
نا آشنا جس سے
پکھیرو، تیتری دونوں
خزاں کا آسماں!

(خبر اس پھول کی یہاں جو ہے
نہ پرندے کو ہے نہ تتلی کو
نیلگوں آسماں یہ بیت جھڑ کا)

شامِ خزاں
ہیں زندگی کی (بے گماں) اپنی حدیں
اس کے مگر اوقاتِ فرصت بھی تو ہیں

پرانا ایک جوہڑ
کودتا ہے اس میں اک مینڈک
(سنو) آواز پانی کی

اپنے لحن کی تنہائی سے
میری غمناکی پہ غالب آ
او کُوکُو!

(آہ کنکو ڈوری
آ، آ کر
اداسی میں مری
میری تنہائی کو تو
گہرا بنا)

گانا گانا تمام دن گانا
یہ بھی کافی نہیں لوے کے لیے

شکن جو اس پہ پڑے ہیں درست کر کے انہیں
میں نکلوں اپنے کمیکو میں برف دیکھنے کو

ایک ننگی ڈال پر
رُخ کرے بسرام ایک
جھٹپٹا پت جھڑ کا ہے

(بیٹھا ہے ایک کوّا
اک ٹنڈ منڈ ٹہنی
پہ، شام ہے خزاں کی)
(خزاں کی شام کی سہج سہج ماند
پڑتی نارنجی روشنی
رات میں ڈھلتی
اک سُنج مسنجی شاخ پر ایک
گلُ مکلّا کوّا بیٹھا)

(ایک بے برگ شاخ پر کوّا
ایک بیٹھا ہے
شام پت جھڑ کی)

(خزاں کی شام
اک مرجھائی ٹہنی پر
بسیرا ایک کوّے کا) ؂

؂ تنہا
پت جھڑ کی چُپ چُپ سی اُداسی
شام کے سائے
تُوت کی ننگی شاخوں پر اک کوّا!
تنہا
دائیں بائیں دیکھ رہا ہے

لامکاں تا لامکاں
(ڈاکٹر تصدق حسین خالد)

بولو اک لفظ بھی تو ٹھٹھرا دے
لبِ گویا کو ہوا پت جھڑ کی

برف ہم دونوں نے جس کو کہ اکٹھے دیکھا
کیا وہ اس سال بھی (اے دوست) پڑی ہے پھر سے؟

سو رہی تھیں بیسوائیں بھی
اسی چھت کے تلے
طرفیل دمہ

ہرن کے سینگ کی جوں شاخِ اوّلیں پھوٹے
جدائی ہوتی ہے ہم میں اسی طرح اے دوست!

یہ گرما کے کاہ و خس
بہادر سپاہیوں
کے خوابوں کی فصلِ پس
(گرمیوں کی گھاسیں، بس
اتنا کچھ ہی باقی ہے
سینکوں کے سپنوں کا)

دوست چڑیا! کھا نہ کرتا ہُوں میں تجھ سے التجا
ننھی مُنّی بھنبھناتی مکھّیوں کو
کھیلتی ہیں جو کہ پھُولوں میں مرے

اک برگِ گیاہ سے پھسل کر جگنو
پرواز کرے دوشِ ہوا پر پھر سے

اے اوس اتنی تیزی سے گرتی ہے جو، مجھے
کرنے دے صاف خود میں یہ بدبخت زندگی!

رات رہنے کا ٹھکانا، سگ بھی
کیا اندھیرے میں کراہے، جاڑے
کی مہاوٹ کے تلے!
سات میل اور زیادہ مرے آگے

یہ سالِ نو
دلائے یاد مجھے اک اکیلی شامِ خزاں

ہو کے دورانِ سفر صاحب فراش
دوڑتا ہوں ایک مرجھائی ہوئی دلدل پہ میں
خوابوں میں دیوانہ وار!

(شعرِ مرگ)

رات میں جاگتے اچانک ہی
لیمپ مدّھم ہے جم رہا ہے تیل!

آلوچے کے شگوفوں کی خوشبو سے یک بیک
پربت کے راستے پہ ظہورِ آفتاب کا

ایک ننھّا کیکڑا
رینگے میرے پاؤں پر
کتنی ٹھنڈی ہے ندی!

کوہِ ہیرا پہ اوّلیں کہرا
عکس پت جھڑ کی جھیل میں ڈالے

ان کے سارے گیت گائے جا چکے
ہیں ہٹو ٹوکیسو چُپ

اک بہاراں، ہے جو نادیدۂ مردم ابھی
آئینے کی پُشت پر
پیڑ آلوچے کا اک کھِلتا ہُوا!

اس نسیمِ خزاں میں
کس آواز سے گاؤ گے
کونسا گیت ؟ مکڑے!

○

بُوسُن

BUSON

(۱۷۱۵/۶ - ۱۷۸۳)

نیم وا نرگس کے پھُول
اک نگارِ نازنیں
درد کرتے سر کے ساتھ!

بوستاں اک شام کا
اُس نے پوشیدہ کیا
اپنی خوشبو میں گلُ اِسپید کو
(شام کا اک بوستاں
اپنی خوشبو میں چھپا
اک گلُ اِسپید رنگ!)

ہوا مغرب میں چلتی ہے
تو مشرق میں
ہوں یکجا ریختہ پتے

بہار کے مینہ میں
ہو گئے ایک
تال و دریا!

خزاں کے طوفاں کے بعد
یہ سُرخ مرچ
ہے کیا ہی خوبصورت !

منتظر قدموں کی چاپ
دُور سے کان میں پڑتی ہُوئی
گرتے پتّے

(ہے دُور ان کا فاصلہ
بالائے برگِ ریختہ
چاہیں جنہیں وہ نقشِ پا !)

پھر اک طویل دن
اور
آخری دموں پہ بہار !

پانی ڈھونگا
ایک تیز درانتی
سرکنڈوں کو کاٹتی

بستر تنہا
گذشتہ سال سے
شامِ خزاں

ہے مہک جنگلی گلابوں کی
راستے کے سرے پہ قبضہ کئے

چائے کے پودے کے پھول
زرد ہیں یا ہیں سفید
کون یہ بتلا سکے ؟

جاتی ہوئی بہار اور
باہوں پہ بوجھ میرے
بربط کا بڑھ گیا ہے
(بارِ فراق ہے یہ ؟)

کوند بجلی کی
ادھر
آواز بانسوں سے ٹپکتی اوس کی !

اپنی باہوں کا تکیہ بنائے
میں اپنی ہی چاہت میں ہوں مبتلا
ایک کھُرِیلے چندر تلے

جاڑے کی ویرانی
یک رنگ دنیا میں
سرسر ہوا کی ہے!

کھیتوں میں گرتا
کھیتوں سے گرتا
پت جھڑ کا پانی

بھاگا ہُوا پانی
بنے ہر کھیت کی ظلمت

ہے شام کا عمل
خزاں
میں سوچتا ہُوں صرف اپنے والدین کا

اک لُگائی
دکھاتی ایک کوئلہ فروش کو
شیشے میں اس کی شکل

نسیمِ خزاں چل رہی ہے
مچھیرے، لکڑہارے مدھ شالے میں
گا رہے ہیں کویتا

شہر کے لوگ
اک دوسرے سے
گئی شام کے بارے میں پُوچھتے
(ایک) طوفاں خزاں کا

گزرتی ہے اک پالکی
ایک بیمار مرد اس میں ہے
بہ خریفِ شعیر!

اپنے سر کو میں جب اُٹھاتا ہُوں
چاند کُہسار کا دکھائی دے
اپنے سر کو میں جب جھکاتا ہُوں
سرزمینِ وطن نظر آئے

بہار کی وہ بارشیں
سوار میرے ساتھ دلبرِ جواں
تمہاری کانا پھُوسیاں
(برکھا بسنت کی وہ
وہ تام جھام اپنا
اور اس میں نرم و شیریں
سرگوشیاں تمہاری)

کرے سردی مرے دل تک سرایت
مری مرحومہ گھروالی کی کنگھی
ہماری خوابگہ میں ہے مری ایڑی کے نیچے

باغیچے میں ایک آدمی لیمپ لیے
افسوس کرے بہار کے جانے کا!

دمک دامنی کی
خزاں کے جزیرے
کمر بند کی طرح موجوں نے گھیرا جنہیں

رات آدھی اِدھر
رات آدھی اُدھر
رات جاڑے کی
آواز آرے کی
غربت

چند روزہ زندگی میں
ایک فرصت کی گھڑی
شام یہ پائیز کی
(اک عمرِ مختصر میں
فرصت کی ایک ساعت
یہ شامگہ خزاں کی)

بہار کا مہینہ
ہے قابلِ رحم اس کی حالت
نہ لے سکے ہاتھ میں قلم بھی
وہ ماہِ طلعت

ایک سے ایک اسی طرح
شمعیں جلائی گئیں
ایک شامِ بہار

جمع ہوتے گذرتے ہوئے سست دن
چیزیں گذری ہوئی
کس قدر دور ہیں

ناشپاتی میں شگوفے
ایک عورت چاندنی میں
پڑھ رہی ہے ایک خط

بیوی و بچّہ
معبد میں کھائیں
پت جھڑ کا طوفاں

پنچھی تھوڑے تھے نیر ڈونگے تھے
اور جھینگر پڑے جھنگارتے تھے

دکھائے جاڑے کی برکھا
ہماری آنکھوں کے آگے
جو ہے، کچھ اس طرح جیسے
ہو کوئی قصۂ پارین

رکابی پہ آوازِ پا
مُوش کی
سرد ہے

کنارے کے پلوور کھیلیں
پیر اپنے بھگوتے

خزاں کی شام
تنہائی میں بھی
فرحت نہیں کوئی

کوئی آیا
کسی سے ملاقات کی اُس نے
شامِ خزاں

پھول تھا یا کہ بیر تھا کوئی
گُنجِ سرما میں جو گرا جَل میں

نئے پتّے نکلتے ہیں
جَل اُجلا، جَو مگر زردا رہا ہے

لگتے ہیں پست کیا ہرے پتّوں کے درمیاں
وہ آدمی جو جادۂ وادی پہ ہیں رواں

پُر امّید و پُر وعدہ
ہے چوٹی پہ جو قلعہ
گھرا تازہ پتّوں سے

سامنے دریچے کے
تم کھڑے جیئے کاٹو
میں بھی تو ذرا دیکھوں
دُور کے پہاڑوں کو!

آوازیں گونجیں مچھرّوں کی
جب پھُول گرے ہنی سکل کے

مختصر رات

روند کے آدمی
غسل دریا میں کرتے

موسمِ برشگال کے دن ہیں
ہاتھ میں لالٹین کاغذ کی
میں اسارے کے ساتھ چلتا ہُوں

دیکھ سکتے ہو نسیمِ صبح کو
جھانجھے کے بالوں پہ تم چلتے ہُوئے

یہ بارشیں مئی کی
بے نام سی ندی بھی
اب اک مُہیب شے ہے!

کھیتوں کو پانی دیتے
دیہاتیوں کی باتیں
مہتاب گرمیوں کا

چاند ہیمنت کال کا یہ چاند
ایک دیول بغیر در کا ہے
اور آکاش کتنا اونچا ہے !

قدما کی شامیں
میری شاموں ہی کی مانند تو تھیں
سرد بارش کی یہ شام !

تین بار چیخا
اس کے بعد سنائی نہ دیا
ہرن مینہ میں

دُنیا کو ترک کرتے
پت جھڑ کے پیلے پتّے
جس پنڈ میں کہ رہتے
ہیں والدین میرے

ہے عجب انبساط کا ہنگام
کرنا اُس گرمیوں کے دریا کو
پار جُوتے پکڑ کے ہاتھوں میں

آلوچے کے شگوفے
شہ دانے کے شگوفوں
سے بڑھ کے بے تکلّف
ہیں چھوٹے سے مکاں سے

آلوچے کے شگوفوں
کی خوشبو اُٹھتی جائے
بس اُوپر اور اُوپر
نیرّ کے گرد ہالہ!

زمیں کو دیو بوتے
آفتابِ شام کی لمبی شعاؤں میں

خزاں کی ابتدا ہے
نجومی دیکھتا ہے یُوں کسے حیران ہو کر؟

گُھلتے گُھلتے ، گھٹتے گھٹتے
چاند ناپید ہو جائیے
کیا سرد رات ہے !

کھِلتے ہُوئے جنگلی گلابوں سے
یاد آئے مجھے سڑک جو گھر پر ہے

رضائی کو کریں محسوس
میرے استخواں
اک رات کورے کی

دُور جنگل کی گہرائیوں میں
ہتھوڑے کی آواز
ہُد ہُد

گُلِ داؤدی اُگانے والے !
تُو غُلامِ گُلِ داؤدی ہے

محبّت کے شعلوں میں جلنا
ہے استادہ اک بارہ سنگھا
سرِ آبِ پایاب تکتا

پاؤں رکھّے مُطَلَّقہ عورت
اُس میں جس کھیت کو کہ بونا ہے

سُنتے آبشاروں کو
یہاں وہاں سے
برگ ہائے نَو

گُلہائے ریختہ ردی کاغذ ہی کے فقط
ٹکڑے نہیں گواہ یہ جھاڑو ہے بانس کی !

نسیمِ بہاراں میں
ساحل دراز
اور گھر
دُور ہیں

معطّر کپڑے تہ کر کے
نہیں رکھّے ابھی
شامِ بہاراں !

تہِ آبِ گرم
اپنی ٹانگیں میں دیکھوں
ہے شامِ خزاں !

آج کے چاند تلے
سرغنۂ راہزناں
گیت گاتا ہے سُنا ؟

خزاں کے چمکدار چندا تلے
پانچ یا چھ لٹیرے
ہیں یہ لوگ وہ اپنی بستی بساتے ہیں جو
ہر جگہ سے پرے ہر کسی سے الگ

ہر سحر بیدار ہوتے
سوچتے چیزوں کے بارے میں
بہار
پر کہاں چل دی بہار

کل کا دن ختم ہُوا
آج کا دن بھی ختم ہو رہا ہے
آہ ! بہار رُخصت ہو رہی ہے

آ بھی جاؤ
کہ اب میں سوؤں گا
شے ہے فردا کی سالِ نو کا دن !

بہار جاتی ، جھجکتی ، رکتی
پچھیتے آلوچے کے شگوفے

پکڑنا میں نے چاہا اس کو اپنی انگلیوں میں
جیسے عالم خواب کا ہو
ایک تتلی

مختصر رات

مرے نیچے کے پاس
اک روپہلی سکرین!

بڑے گیٹ کے وزنی دروازے
شامِ بہار

اپنی تنہائی میں میں
اپنا عصا بھُول گیا
جانے کہاں
شامِ خزاں

ٹہنی آلوچے کے پیڑ کی توڑتے سردیوں میں
مری بوڑھی کہنی کو کس طرح جھٹکا لگے!

ہے جاڑا قریب
ابر ہائے مطر بھی
یہاں سے وہاں سے

ناچتی ہے لومڑی اک
نرگسوں میں ، ڈوبتے سورج تلے

جاڑے کا طوفاں
کس شے پر گذر اوقات کریں
ان پانچ گھروں میں ؟

بارانِ ربیع
کوئی رہتا ہے وہاں
دیوار میں سے دُھواں نظر آتا ہے

ریپ کے پھول
مشرق میں چاند مغرب میں سورج

چاند ہے آسمان کے ادھ بیچ
میں زمیں پر غریب گلیوں کے
بیچ ، آوارہ گردی کرتا ہوں

RAPE ۵

بیدِ مجنوں ، برہنہ و بے برگ
چشمہ سُوکھا ، یہاں وہاں پتھّر !

گیلاس کے شگوفوں
کے دیکھنے کو جاتی
بھُوکی لگے وہ لڑکی
وہ مرگ نین ناری !

ماں کے سینے میں جو چشمہ ہے کہیں اور نہیں

بیدِ مجنوں — وہ ہو گیا بوڑھا
ہے اکیلے جو چائے خانے کے پاس

رم جھم برستی جاڑے کی بارش رسان سے
کافور کے شجر کی جڑوں کو بھگوتی ہے !

اپنا سر اُٹھاتا ہُوں
تو دکھائی دیتا ہے
مجھ کو آخر اپنا گھر

: نوبنو پُرانا گھر
اور دیکھتا ہُوں کیا
جھٹپٹے میں دروازے
کے سہارے اک عورت
بال جس کے دھولے ہیں
اور جس کی باہوں میں
بھائی ہے مرا چھوٹا
کتنی ہی بہاروں سے
مامتا بھرے دل کو
انتظار تھا میرا!

○

بونچو

BONCHO

(وفات، ۱۷۱۴)

اپنے الجھے ہوئے بالوں میں
وہ کنگھی کرے بے صبری سے
(وہ عجلت میں کرے کوشش کہ اپنے
کاکلِ ژولیدہ کو شانے سے سلجھالے)

سردیوں کی بارش
ایک باڑی کہ جلادن سے بھری
روشنی چھنتی ہے کھڑکی میں سے

مختلف عطریات اور دھوئیں
شہر میں، گرمیوں کے چاند تلے

یہ بھُد کی کلبۂ احزاں میں آئی ہے
سنانے میری تنہائی میں مجھ کو
اپنی چہکاریں؟

وہ ایک وقت میں دو دن کا کھاتا ہے

آواز ہے یہ کیسی ؟
یہ کوّے سے مہکنا ہے
جو خود بخود گرا ہے

کافور کی مرجھائی ٹہنی کے پیچھے
عقاب کے گھونسلے کے
ہمراہ ہی سُورج ڈوب گیا

میں سمجھتا ہُوں سالِ نو کی شام
ہے عدو عمر کی درازی کی

سرسراتے مرمراتے برگِ نو
بارانِ باد آمیز میں

بواِتسُو BOITSU

(۱۵۴۸ — ۱۶۳۰)

میں تو پھولوں کے درمیان ہوں یہاں
کوہ ہائے بہار ہیں لیکن
قہقہے سُن رہا ہُوں لوگوں کے

بائی کین BAIKIN

ہوا سے بھرے بادلوں کے سفینے!
ہے کیوں اس قدر گرم جولاں
تو اس ماہتابِ خزاں میں؟

بائی شیتسُو BAISHITSU

کیا یہ چاند تھا جو چیخا؟
ایک ہٹوٹوگی سُو!

تائی گی

TAIGI

(۱۷۰۹ — ۱۷۷۱)

اک شامگہ خزاں کی
خود سے سوال کرتے
خود ہی جواب دیتے
کمزور و سرفتادہ

اوّلیں عشق ، پاس پاس ان کے
چہرے ، پتھر کی لالٹین کے پاس

بجلی چمکتی ہے کڑکتی ہے
جہازوں سے جو ہیں ڈوبے ہُوئے
آوازیں روحوں کی آئیں

برآمدہ تر ہے اور ویراں
خزاں کی بارش

مہ سرما
نہیں ہے جُز مرے اس پر کوئی
پُل گُونجتا ہے

دُوج کا چاند ، ناؤ میں بیٹھے
چاندنی ہمکنار ہے مجھ سے

بھپارا ان کو دیتا
اور مندر سے گزرتا
چاند دھندلا سا

ہر ستارہ شروع کرتا ہے
ٹمٹمانا ، ہے کس قدر سردی !

ڈوبتا سُورج کرمزن میں کرے دنیا کو غرق
ارغواں فصلِ خزاں کی ایک شام

۵۹

یہ دن ہے
سہانا کس قدر!

تربوز کے کھیت میں
لومڑ ملا چور کو

جیب کتری مجھے ایک عورت ملی
ایک کہریلے چندر تلے

کہنہ رسم و رواج کی پابند
بوڑھی عورت کرے سنگار اس دن
دن جو تبدیلیِ لباس کا ہے

ابتدائے خزاں
غسل کے بعد
احساس واماندگی کا

باتیں کرتے محافظِ پُل سے
چاند کو میں نے الوداع کہا
آنکھوں آنکھوں میں ہی اسے تکتے!

سرد صبح
سرائے کو چھوڑتے
مسافروں کی آوازیں

پوچھتے سردی کے بارے میں
مُسافرِ رات کو
سوئی ہُوئی آوازوں میں

یہ پُروا چل رہی ہے!
کہیں وہ چلتے چلتے
غلام اور اُس کا آقا!

سفر کرتی عورت
پہنتی ہے اپنا مخطّط کِمونو
زیادہ ہی کچھ بانکپن سے

KIMONO ۵

اک ٹہنا پاس سے گزرا
کہا میں نے کرو نظّارہ
لیکن میں اکیلا تھا!

"اس کو مت توڑو"
خود اس نے ایک آلوچے
کی ٹہنی توڑ کر
دے دی مجھے!

○

تے ای شِتسُو TEISHITSU

(۱۶۷۳ — ۱۶۰۹)

چاند آدھی رات کا
ایک گولہ ٹھنڈ کا

توہو TOHO

(۱۷۳۰ — ۱۶۵۷)

جب ایک پنکھڑی بھی اڑ چلے
بہار گئی

تو یو جو TOYO-JO

(پ ، ۱۸۷۸)

یوں لگے صورت سے جیسے
بن رہے ہیں وہ زمیں
یہ جو پتے ہیں گرے

شام پت جھڑ کی
شادی نہ کرنے کا میں نے کیا فیصلہ

توداشی
TODASHI

دو تتلیاں
ایک اُڑ رہی ہے میرے گرد

تاکاشی
TAKASHI

(۱۹۰۶ — ۱۹۵۶)

چکلے میں ایک کمرہ
خالی ہے
شام پت جھڑ

توکوگین
TOKUGEN

(۱۵۵۸ — ۱۶۴۷)

چاہے جس طرح ہم اسے دیکھیں
کوئی شے برف سی سیاہ نہیں!

جوکُون JOKUN

بوڑھا ہونے کا ارادہ نہیں میرا کوئی
گھنٹی مندر کی مگر بجتی ہے

جوسو JOSO

(۱۶۶۲ — ۱۷۰۴)

کسی شے کو پکڑے بنا
خود بخود تیرے
پانی پہ مینڈک

چورا

CHORA

(۱۷۲۹ ـــ ۱۷۸۰)

شروعِ خزاں
بلندی پہ ابرِ رواں
ہوا دیکھی جا سکتی ہے بے گماں !

جاڑے کے چاند تلے
تیز کرتی ہے چٹانوں کو ہوا دریا کی

تبدیلِ لباس
کوّا کالا ہے
بگلا سفید

باہر کھیتوں میں
پرندوں کے ساتھ
دُھند مجھے بھی گھیر لے گی

مقدّس مزار کے
سمن پوش کُنج میں
ہوائے خُنک چلے

کھانے کے وقت پت جھڑ میں
کھلے دروازے میں سے
شام کا سُورج جھانکے

ٹمٹماتے ہُوئے ستاروں کو
اس کی شاخوں کے بیچ سے دیکھیں
بیدِ مجنوں ہے کس قدر تنہا !

چے سے ای

CHESEI

رہتا ہوں جس جگہ ہے رہائش مری جہاں
لوگوں سے ہیں زیادہ وہاں کوّے ہنکنے !

چوشُو

CHO SHU

(۱۸۵۲ — ۱۹۳۰)

چاند پانی میں گو
ریزہ ریزہ شکن در شکن
پر ہے موجود پھر بھی !

دان سُوئی

DANSUI

(۱۷۱۱)

سمندر کی گرج میں ختم ہو جاڑے کی بارش

نئے چاند کی ہے کماں
بلا تانت کے
قازِ وحشی پکاریں !

داکوتسُو DAKOTSU

(پ ، ۱۸۸۵)

جاڑے کے لیمپ میں
مُردہ چہرہ نہیں
زندہ چہرے سے دُور

اپنے پٹکے کے اُوپر
وہ پنکھے کو اُڑسے
توہوگات حائل

دینپوکو DENPUKU

(۱۷۲۰ —— ۱۷۹۳)

مرا مکان بنا کس قدر بُرا —— گرمی!

رانکو RANKO

(۱۷۲۶ — ۱۷۹۸)

دعائیں مینہ کی
لرزاں بادلوں کی چوٹیاں
گلنار شعلوں میں

یہ شامِ فصلِ گُل ، زندہ
سمندر کے خزانے سے کنارہ

آخر کار تبہ کر لے گا
خود کو جھیں جھیں کر کے
یہ خزاں کا جھینگر!

ریوتا
RYOTA

(۱۷۱۸ — ۱۷۸۷)

(اس کے کوئی تین ہزار شاگرد تھے)

مئی کی بارشیں
چھپ کر
صنوبر کے شجر میں سے قمر
صورت دکھاتا ہے

ہے ختمِ سال
نظر آئے نافروختہ سنگ

جگنوؤں کا اک قفس
بیمار بچّے کے لیے
عالمِ تنہائی ہیں

ریوتو RYOTO

(۱۷۱۷ — ۱۷۸۷)

(ایک شِنتو بھکشو)

ٹھیک ہے سب ٹھیک ہے
میرے بڑھاپے کی بہار!

بارشیں یہ مئی کی
ناروں کے درخت میں اک شام
مخفی چاند

ہو تعاقب تو جگنو
چھپے چاند میں

آج کا چاند کہاں
ذہن یہ تسلیم کرے
کہ فقط ایک ہی تھا

یہ بنفشے، بہار کے کھیتوں
کے نظارے کی کس قدر ہوں گی
متمنی" زنانِ بازاری !

اوہ یہ سر پھری روگی دُنیا
تین دن سے نہیں دیکھے ہیں شگوفے میں نے
آہ ! آلوچے کے !

میرا سایہ جذب ہو دیوار میں
اس خزاں کی شام
اک جھینگر پڑا چیں چیں کرے

رِنکا

RINKA

(پ، ۱۹۰۴)

برسات کا موسم
میں مینہ کو برستے ہُوئے دیکھوں
گھر والی کھڑی ہے مرے پیچھے

تتلیاں بچھڑتی ہیں
اور آسماں کو اُس کی تمام
نیلاہٹ دے جاتی ہیں

نسیمِ جُون
سایہ
نہیں ہے قبر کے پیچھے کسی کا

رَن سَتسُو RANSETSU

(۱۶۵۴ ـــ ۱۷۰۷)

ہے آدھی رات نکھنڈ
آکاش گنگا نے
جگہ اپنی بدل لی

فصل کا چاند
دُھواں آبِ رواں پر پھیلے ○

گھاس کے ایک تنکے سے تم
دوسرے پر کرو رقص
اے اوس کے موتیو!

آج کے ماہتاب کے نیچے
کوُکے اک جانہار بوتیمار!

○ دُھند پانی پہ رینگے

بانس کی کونپل
ہیں کتنے خوشنما بچّے کے مسوڑے !

صبحِ نوروز درخشاں، تاباں
سرگذشت اپنی سنائیں چڑیاں
(دن نیئے سال کا ظہور کرے
چڑیاں اپنی کہانیاں کہتی)

روگیتسُو ROGETSU

(۱۸۰۳ —— ۱۹۲۸)

گرجتا ہے طوفاں خزاں کا
مگر آسماں میں بلندی پہ ساکن ہے بادل

رِیُوسُوئی RYUSUI

کھویا بچّہ
چیخے چیخے
لیکن پھر بھی
جگنو پکڑے !

رن تائی
RANTAI

ایک غم ناک صدا نکلے ہرن کے مُنہ سے
سرد پت جھڑ کی ہوا جب اس کی
ریڑھ کی ہڈّی کو ٹھٹھراتی ہے

روکا
ROKA

(۱۶۷۱/۲ — ۱۷۰۳)

صاف ہوتی ہے پچھلی رات کی برف
کنج کس طرح دگدگاتا ہے !

جاڑے کی بارش رنگے
قبروں کے کتبوں کے الفاظ کو
آہ افسردگی !

ریُونوسُوکے RYUNOSUKE

سبز مینڈک کیا ہُوا ہے تجھُ پہ
تازہ تازہ رنگ ؟

رے ای حاکوُ REIHAKU

آتے ہیں جاتری کہاں سے جانے
کس دیہی سرائے میں ٹھہرنے کے لیے ؟
یہ گرمی انہیں لینے دے چین کہاں

ریُوہو RYUHO

(۱۶۷۳ —— ۱۷۴۴)

چاند اور شہ دانے
کے شگوفے، اس دُنیا
میں خبر ہے اب مجھ کو
شعر تیسرا کیا ہے ؟ (شعرِ مرگ)

رانران
RANRAN

(۱۶۴۸ — ۱۶۹۳)
۴۲ / ۸۹

نہ یہ ہنستا ہے نہ روتا ہے گلابِ شارون

رانگائی
RANGAI

(۱۷۵۸ — ۱۸۳۱)

کوہِ فوُجی کو تکتے ہوُئے
کاش آجائے مجھ کو
اچانک پیامِ اجل !

رے ای یوشی
REIYOSHI

(۱۸۸۶ — ۱۹۱۴)
زمیں کے نیچے اس مرجھائی دلدل پر
رہیں کیڑے !

روسن ROSEN

(۱۶۶۲ — ۱۷۴۳)

آج کی شام ، نہیں چاند بھی جو
کرے تپتے ہوئے دن کو ٹھنڈا

رانشی RENSHI

(۱۶۷۹ — ۱۷۴۲)

کتنی ہی عورتیں ہیں کیوٹو میں محوِ رقص

مہاوٹ سردیوں کی
گلی اک کسبیوں کی
مینہ بے حد کا

روتسُو
ROTSU

(۱۶۵۱ — ۱۷۳۹)

(ایک بھکاری)

چلے جاؤ چلے جاؤ
کہا مجھ سے انہوں نے
شامِ سالِ نو

ریوکان
RYOKAN

(۱۷۵۸ — ۱۸۳۱)

طبل و بربط بجیں گاؤں میں
پہاڑی پہ یاں
صنوبر کے پیڑوں کی سرگوشیاں

کافی تعداد میں ہوا لائے
گرے پتّے کہ آگ جن سے جلے

روتن
ROTEN

(۱۴۵۴—۱۷۳۲)

نہیں نرگس کے پھول میں کوئی
آدمی کے کمینہ پن کا نشان

رائی زان
RAIZAN

(۱۶۵۴—۱۷۱۶)

(ہمیشہ نشے میں دُھت رہتا تھا۔ اپنی والدہ کی موت پر
اُس نے اتنی پی کہ اندھا ہوگیا۔ اس موقع پر اس نے کہا:
مری آنکھوں کے لیے آج کا چاند
اک اندھیرا ہے فقط)

ہے میری موت فقط اس گناہ کی پاداشں
کہ جس کا میں نے جنم لے کے ارتکاب کیا
نہیں ہے وجہ شکایت کی کوئی میرے لیے
کروں میں شکوہ کسی کا تو کونسے مُنہ سے؟ (شعرِ مرگ)

لڑکیاں دھان بو رہی ہیں، صرف
گیت ان کا بچا ہے کیچڑ سے

اے نسیمِ بہار کے جھونکو
کیا نرمل سفید ہے بگلا
درمیانِ صنوبراں دیکھو!

(بہار میں اپنے اکلوتے بیٹے کے مرنے پر)

خواب اک نوبہار کا لیکن
کتنا تکلیف دہ، اذیّت ناک
کہ میں دیوانہ ہو نہیں سکتا!

زینّا

ZENNA

میں جن پھولوں کو تکتا ہوں
ہرے پتّوں کا سامانِ شکم سیری بنے سارے

سوباکُو

SOBAKU

(۱۷۲۸ —— ۱۷۹۲)

چاند بھی آج سو نہیں سکتا
انتظار اس کو روشنی کا ہے

جتنے بھی آج میں نے
دیکھے ہیں سیرِ گُل میں
آلوچے کے شگوفے
میرے لیے وہ سارے
اک بوجھ بن گئے ہیں !

سُوئی ہا
SUIHA

(۱۸۸۲ —— ۱۹۴۶)

یہ ارغواں بنفشے
سُورج کی پتلی کرنیں
جیسے کہ جم گئی ہوں

زمستاں کے پہاڑوں میں
کہاں تک ڈاکیا اُوپر چڑھے گا ؟

خزاں کی ہوا
آئے پیچھے سے
چلتی ہُوئی گھاس میں سے !

سنتوکا

SANTOKA

(۱۸۸۲ — ۱۹۴۰)

پڑے جھڑ باندھ مہاوٹ
میں ابھی زندہ ہُوں

اس ابر کی بارش نے بھگویا ہے مجھے

مسلسل گرے برفِ مرگ و حیات

بہُت دُور میرا جنم بھوم
پیڑوں پہ کلیاں

پا کے تنہا مجھے لڑ گئے مجھ کو مچھّر!

ایک کوّا کر رہا ہے کائیں کائیں میں بھی ہُوں
بالکل اپنے آپ میں

میرا کاسا بھی کیا ٹپکنے لگا ؟

سُوای او SUIO

خزاں کی ایک رات
خواب ، خزّاٹے
ٹڈے کرر کرر کرتے

سے ای را SEIRA

(۱۷۴۰ - ۱۷۹۱)
دروازے پر پڑے کسی کا سایہ
پائیز کی شام

جوتوں کو اپنے پھینکتا ہے
دُور ہٹو کر مار کر وہ

کنارے ناؤ کے
چاند پانی میں

(شعرِمرگ)

سوکُوشی SOKUSHI

بادل ہاں
بارشں ناں
گرمی

سوکیوُ SOKYU

(۱۸۴۳ — ۱۷۶۰)

پیدا کرتا ہوں جس کو میں وہ دُھواں
ہے دوسرے لوگوں کے لیے شامِ خزاں°

جاتی خزاں
چڑیاں پھُدکتی
دُوب میں

° جسے کرتا ہوں میں پیدا وہ دھُواں
بنے اوروں کے لیے شامِ خزاں

سے ای سیتسو

SEISETSU

(۱۸۷۱ — ۱۹۱۷)

مرتے اور جیتے
جیتے اور مرتے
زمیں میں ہل چلاتے

عزم گر کمزور پڑ جائے تو تم
چلچلاتی دھوپ میں مرجاؤ گے!

○

سے ای بی
SEIBI

(۱۷۴۹/۸ — ۱۸۱۶)

تھا کمر کے بل دراز
دھوپ نے بہار کی
منہ کو میرے بھر دیا

جاتی ہوئی بہار
اک
عورت کرے شکایت
آئینے سے، اکیلی

مہر (بے مہر) چھپ نہیں سکتا
کوہِ فوجی سے بھی نہیں، گرمی!

سیکچو

SECCHO

آتے ہیں یہ جو پھول ہزاروں بہار میں
کس کے لیے مہکتے ہیں کھلتے ہیں کس لیے ؟

سے ای سے ای

SEISEI

(۱۸۶۹ — ۱۹۳۷)

بانس کے بن میں چلے برکھا
شام !

تتلی کو گدا چلائے اپنے آگے

سوسے ای

SOSEI

(۱۹۰۷ — ۱۹۴۷)

دوست کو اپنے میں نے دفن کیا
آج خاموش آنسوؤں کے ساتھ
جنگلی قاز اُوپر اُڑتے تھے

برف کا طوفاں
پرندے جھیل و میداں پہ
کریں رونا شروع

○

سوئبن

(۱۶۰۴ — ۱۶۸۲)

شفق کے لیمپ میں باقی ہے تھوڑا تیل ابھی
نوافروش ہے کُوکُو !

تاکتے غنچے گیلاس کے
میری گردن کی ہڈّی لگی درد کرنے

آ رہی ہے خزاں کی رُت ، پتّے
گریں کشتی پہ ایک اک کر کے
منتر و امیرے بغیر مت جانا !

سودو SODO

(۱۷۱۶ — ۱۶۴۴ ۱/۲)

مری کٹیا بہار میں ، اس میں
کچھ نہیں اور اس میں سب کچھ ہے

آگے آگے مرے ، مرا سایہ
لیے جاتا ہے مجھ کو گھر کی طرف
ہے شبِ ماہ ، چاندنی چھٹکی

○

سوتن

SOTEN

تکتا ہوں درخت کو میں آتے جاتے
ہر دن یہ گراتا ہے زیادہ پتّے

سے یی اُو

SEYIU

بے تکلّف ناک کی سیدھ آئے وہ رقّاصہ کے پاس
اور سرگوشی میں کچھ اس سے کہے !

○

سورا SORA

(۱۶۴۹ — ۱۷۱۰)

جب اُٹھایا چاند کے نظّارے کی خاطر اسے
اپنے سو جانے پہ شرمائی وہ شوخِ مہ لقا!

چکاوک اتنی بلندی پہ کر رہی ہے اڑان
کہ انتظار سے تھک جائے گا بچہ اس کا

پرندہ ہے پت جھڑ کے طُوفان میں
سرد و تنہا یہ کیا ؟
(یہ پرندہ ہے کونسا، تنہا
اور ٹھٹھرا خزاں کے طُوفاں میں)

پیچھے کے پربتوں پہ میں سُنتا ہوں ساری رات
سُنتا ہوں ساری رات خزاں کی ہوا کو میں

غذا دیتی ہیں جو ریشم کے کیڑوں کو وہ تریائیں
لباس ان کے ہمیں لے جائیں اک پارینہ ماضی میں!
(ریشم کے کیڑوں کی نگہباں عورتیں
طور و طریق ان کے جہانِ کُہنہ کے)

○

سوگی

SOGI

۱۴۲۱ —— ۱۵۰۲

بڑھاپے کا دُکھ

"میں ساٹھ سال کا ہو بھی چکا ۔ موت کی لہریں میرے ساحل سے ٹکرا رہی ہیں ۔ لیکن کنفیوشس کے برعکس میرے کان میرے کہے میں نہیں ۔ میں نے اپنی زندگی لاؤ بالیانہ رات کی ہواؤں اور صبح کی اوس کا انتظار کرنے خزاں کے چاند اور بہار کے پھُولوں کے ساتھ گذار دی ـــ میری زندگی کا قطرۂ شبنم پتّے کی نوک پر ٹھہر رہا ہے ـــ کتنی دیر اور ؟

آنے والی زندگی کا خیال نہ کرتے ہوئے ـــ بطورِ راہب اپنا فریضہ ادا نہ کرتے ہوُئے ، مجھے دُکھ ہوتا ہے کہ میں دُنیا کی چیزوں سے وابستہ رہا "۔

سالِ پیری کے سامنے میرے
اب میں کس چیز کا سہارا لوُں ؟

غم ہے شبنم کو زُود مرگی کا
اور اس پھوُل کا جو زندہ ہے

گو ابھی شام نہیں
میز کے ساتھ
یک کھڑکی سی خزاں کی ہے کھُلی

رختوں کے پتّے جو گرتے ہیں وقتِ سحر
ات جو مینہ پڑا ہے چھُپائیں اسے

یرے دل میں باقی ہے
اس کی آرزو اب تک
بعد اتنی مُدّت کے
آخر اس کا کیا مطلب ؟

آنے والے دنوں میں
اسے صرف دیکھوں گا خوابوں میں شاید

منتظر رکھ کے اتنی دیر ہمیں
آپ گرتی ہے کتنی سرعت سے
رُوح گیلاس کے شگوفوں کی

ہو رہا ہے غروب ماہِ منیر
صبح کی لہر تیز تیز بہے
بحرِ پُر شورِ موسمِ گرما !

سوسے کی SOSEKI

(۱۸٦۷ — ۱۹۱٦)

عزّت مآب چڑیا !
یہ کوّے ہنہناتا ہے
ایسے خطاب کرتا

کون ان پتّوں میں سے پہلے گرے گا ؟
پوچھتی ہے ہوا

تہ کے پتھر لگیں اس طرح جیسے حرکت کریں
نیر نرمل

نئی خادمہ نے کہا :
فلورا مرا نام ہے
اپاہج تھی وہ !

سوکان SOKAN

(۱۴۵۸ — ۱۵۴۶)
(۶۵ — ۵۲)

اگر کوئی پُوچھے کہ سوکان کو کیا ہُوا
تو کہو :
گیا ہے وہ اگلے جہاں کو کسی کام سے

(اس کا شعرِ مرگ)

گیلاسس کے شگوفوں
کے عطر کو چُرا کر
وہ جا رہا ہے طوفاں

ترلیسٹھ ہے پیچھے مرے

اپنے ہاتھوں کو ملا کر مینڈک
غزل ارشاد کرے

سال کا اختتام ہوتا ہے
آج کی شام کوئی بھی مجھ کو
کچھ نہیں دیتا کچھ نہیں دیتا

بانس کی کونپلیں بڑی ہوں جب
یہ بھی فیضان والدین کا ہے

ہو اگر بارش
تو چھتری لے کے آ
چاند آدھی رات کے

ہے علی الصبح خزاں کی
رم جھم
شاعرانہ کیسی ؟

ے کاسا KASA اس کے معنی چھاتا (چھتری)، بھی ہیں بادل بھی

سے ای سنسوئی SEISENSUI

(پ ۱۸۸۴ء)

ریت پر بیٹھے ہُوئے
اپنے ہاتھوں سے اسے پکڑے ہُوئے
ریت دیکھو گرم ہے!

برف پانی پہ گرے
گرے پانی کے یہ اندر میں سے

ہے مجھے احساسِ تنہائی
نہیں دیکھی ہے میں نے چیز
حیرت ناک سارا دن کوئی

بُدھ پہ ایمان مرا
جَو کے بالوں کی یہ ہریالی
یہ صدقِ مطلق!

اپنے گھر واپس
مرا اپنا پیالہ ہے جہاں!

سُوئی کو

SUIKO

ہوگئیں سوئیوں کی طرح
آنکھیں بلّی کی
اس سیک مں

سامپُو

SAMPU

(۱۷۳۲ — ۱۶۴۷)

آلو بالو، کوکو
چاند برف
اور سال غائب

نام ان کے نہیں معلوم مجھے
ہے ہر اک گھاس کا لیکن اک پھُول
نازک و نرم و لطیف

(نام اس کا مجھے معلوم نہیں ہے گرچہ
پھول ہر کاہ و علف ہر جڑی بوٹی کا مگر
نازک احساس سے دل کو مرے لبریز کرے)

سائی گِن SAIGIN

(۱۷۰۹)

آج بکھریں گے ہتھوڑے سے نیئے چاند
کے آلوچے کے پھول

سیکی تے ای SEKITEI

(۱۸۸۶ — 1951)

تازگی شام کے بادلوں کی
گرجنے کے بعد

سے ای شی SEISHI

(پ ، ۱۹۰۱)

شام پت جھڑ کی
دو راہوں پر کھڑی
ہر جگہ ہے ایک سی

منجمد ہو کر ہوا میں چاندنی بھڑے دھاں !

سانکی

SANKI

(پ ، ۱۸۹۰)

انگور میٹھے ہیں
خاموش غصّہ
اپنے دوست کی موت پر

سوجو

SOJO

(پ ، ۱۹۰۱)

خامشی
آگ بنے
کوئلہ آپ ہی آپ

○

سوچو
SOCHO

(۱۸۱۴ء)

مرغزاروں پہ کہر کے قالین
خاتمہ موسمِ خزاں کا ہے

ہیں کہساروں کی جو گہرائیوں میں
ابھی تم تک نہیں پہنچے وہ طوفاں؟
دہاتو! دُور افتادہ دہاتو!

میں نے دیکھا تو جا چکے تھے سب
دوست جن سے کہ گھر پہ پیار کیا
ہُوئے غائب سُراغ چھوڑے بغیر

کوئی حد بھی ہے بدنصیبی کی
میں کدھر دیکھوں میں کہاں جاؤں؟

تمہاری طرح نت نئی اشتہا سے کیسے چاہ سکتا تھا میں ؟

آہ جس کا ہے انتظار مجھے
وہ نہ تھی بادِ مہرگاں تھی یہ !

کیا اس کی تمہیں خبر نہیں تھی پہلے
ہر شے کا مقدّر ہے فنا ہو جانا

آج چوٹی کو کیا میں نے گھٹاؤں میں عبور
اور دیکھا
کہ شگوفے ہیں بہر سُو بکھرے

صبحِ طوفان کے بعد
صرف تربوزہی کو علم نہیں ہے اس کا

○

سوسٹ سُو

SOSETSU

ہوا اور مینہ بھی
بہاراں کے پہلی شگوفوں
کو آواز دیں !

سے ای آن

SEIAN

شگوفے آج کے گیلاس کے
غنچے تھے کل دن تک !

○

شیراؤ SHIRAO

(۱۷۳۸/۵ — ۱۷۹۱/۲)

فصل کا چاند
اور اک ادھ بنا گھر
جہاں سے اسے دیکھتے ہیں

سمے آیا دیا جلانے کا
گر رہی ہیں بلوط کی کلیاں
دوست احباب کی اُمید کرے
ہے بغل میں جو چھل ولا دل!

جاتی پت جھڑ کی گھاسوں میں ندّی چھُپے

تربوزہ کے پھُول کی خوشبو پہ
لومڑ چھینکے
یہ چاندنی رات

ڈوبتے سُورج کی کرنیں
پہ کوّے ہنکنا ہے بے نیاز !

شوہا
SHOHA

(۱۷۲۷ــــ۱۷۷۱)

بہار گزر رہی ہے
جلا وطنوں کو واپس لاتا
جہاز کہاں ہے ؟

سنو آواز مینہ کی کہتی ہے
کھلو گیلاس کے شگوفو کھلو !

اس جہاں میں جاگنا زندہ ٥
مسرّت خیز ہے کتنا
پڑے جاڑے کا مینہ !

---

٥ جاگنا زندہ آسماں کے تلے
بات ہے کس قدر مسرّت کی
اور پھر شیت کال کی رم جھم

گیاہِ خشک
کیڑے کے قفس میں
میں معافی چاہتا ہُوں

شِیرو

SHIRO

(۱۷۴۲ — ۱۸۱۲)

اک سمندر
ایک دریا دھند کا
چڑھتے سورج کے سوا کچھ بھی نہیں

(دھند آلود سمندر
ہے نکلتا سُورج
کچھ نہیں ان کے سوا)

صبح، طوفان، برف میں مدفوْن

سرِ راہ ایک بادلوں کا پہاڑ
اور جوبن پہ ایک جنگلی پِتنگ!

شُوشی کی
SHUSHIKI

(۱۶۶۸ — ۱۷۲۵)

ایک ہی رضائی کے
نیچے والدہ، بچّہ
یہ کہر جُدائی کا!

شُواوشی
SHUOSHI

(پ، ۱۸۹۲)

میں تنہا ہُوں
گُلِ داؤدی دل کش ہے!

اپنی کرسی کھینچ کر اس کے قریب
لکھ رہا تھا میں
بُو گُلِ داؤدی کی!

شوہاکو

SHOHAKU

(۱۶۵۰ — ۱۷۲۲)

ابھی تک رُک رہا ہے کیا
لاجوردی آسماں میں
دُھند میں لپٹے ہُوئے
کھیتوں کے اُوپر ماہتاب ؟

سُنیں ہیں تم نے کبھی چنگاریں
ربیع کی جنگلی بطوں کی ؟

خواب میں وہ جھگڑ پڑی مجھ سے
نرسلوں کو ہوا ہلاتی تھی

اپنی پیشانی پہ انبار کیا
میں نے ہر شب پسِ شب کا کہرا

نیچے لٹکتی چھانیاں
اک نار نیچی ذات کی
گرمی میں پانی کھینچتی

اپنے بارے میں ایسے سوچنے کا
جیسے کوئی نہیں تمہارے سوا
یہ زمانہ نہیں یہ وقت نہیں!

شیزان

SHIZAN

دیکھ کر اس کوہ کو
جس پہ چڑھنا ہے مجھے
یہ تمازت! یہ تپش!

شوزان
SHOZAN

(۱۷۱۷ — ۱۸۰۱)

خـزاں کا چمکیلا چاند
ٹائیل پڑی چھتیں
بھیگی دکھائی دیں !

شِن توکُو
SHINTOKU

(۱۶۳۳/۲ — ۱۶۹۸)

کس قدر خوفناک
ایک عورت لگائے ہُوئے عینکیں
سال کے ختم پر

شی اِین
SHIIN

بس خموشی سے
زمیں کو جوتتے
باپ، بٹیا اور شام !

شیکی

SHIKI

(۱۸۶۷ء – ۱۹۰۲)

خزاں کی ہوا اور میرے لیے
دیوتا ہیں نہ بدھ

رتیلا ساحل
مہِ گرما کی کرنوں کے تلے
کیوں جلاتے ہیں وہ آگ ؟

پیڑ سے لٹکے ، لگے
ڈالیاں کم کم ہیں ، کم کم پات بھی
رات اک تاروں بھری

کوہِ فوجی ہی فقط دفن نہیں
نئے پتّوں کے تلے

کھائے میں نے جو سیب چوری کے
ہو گیا ان سے پیٹ درد مجھے

زین مندر کے (بڑے)
بڑے دروازے سے باہر آتی
ایک تاروں بھری رات

اُبھرتا ہے چاند اور ایک اک کرکے پتّے
زمیں پر گریں سرسرا کر!
شبنمیں ہیں جو اس کی آنکھوں میں
پونچھ ڈالوں میں کیا؟ ہرا پتّا!

مری زندگی اور رہتی ہے کتنی ابھی؟
رات کوتاہ ہے!

رات لمبی ہے سوچتا ہُوں میں
بعدازاں کے ہزار سالوں کا

نیلگوں سمندر
سطح اس کی کالی
برف پوش پربت
لوٹتے پرندے

ہر جز یرے پر صنوبر کے درخت
ہے صبا کا سانس سرد و خوشگوار

غسل خانے سے برآمد ہوتی
سرِ پستاں پہ ہوا چلتی ہے
اور رہداری میں سستاتی ہے !

جوان جنگلی بط دیکھتا ہے یوں جیسے
وہ کہہ رہا ہو کہ میں جا چکا ہوں تہ تک اور
گذُر چکی ہے ہر اک چیز میری نظروں سے

پہاڑ ، میدان
برف نے لے لیے ہیں سب ، کچھ
بچا نہیں ہے

سرد تر برف سے بھی جاڑے کا
چاند (وہ بھی) سفید بالوں کا !

یہ جھالا شام کا

بانسوں سے دوڑیں

چیونٹیاں نیچے

موّاج بادل

سایہ کناں ہیں

بے آب دریا

روز انگور

نہ کھاتے

یہ دوائی پیتے!

وہ گائے جاتی ہے مُومُو

بچھڑ جانا ستاروں کا

تنہائی

آتش بازی کے بعد

ایک ٹوٹتا ہُوا تارا

اوّلیں برفباری
سمندر کے پار اس طرف
وہ بھلا کونسے ہیں پہاڑ ؟

مڈبھیڑ ہونا کسی سے
ہے کس قدر خوف آگیں
کہسار ہیمنت رُت کے

نسیمِ شام میں لرزاں ہیں سب سفید گلاب

رات کو ایک خزاں کا طُوفاں
ذہن میرا ہے بیاکل ، آکل
سامنے ہے مری آنکھوں کے کتاب

خزاں کی ہوا چل رہی ہے
ہیں ہم زندہ اور ایک دُوجے کو ہم
دیکھ سکتے ہیں تمُ اور میں

آتے ہیں کہیں اور سے اڑ کر گرے پتّے
ہے ختمِ خزاں

خزاں کا ایک عمدہ دن
کسی شے سے دُھواں سا
آسماں کو اُٹھ رہا ہے

ہے لمبی رات
بندر سوچتے ہیں کس طرح ہم
چاند کو پکڑیں

مچھیرے کے گھر میں
سُکھائی ہوئی مچھلیوں کی بساند
اور گرمی

شب کوتاہ
تجلیں روشنیاں
بندر میں

رات کی روشنی گُل ہے
پانی کی آواز
ٹھنڈک

روشنی ابھی بجھی نہیں ہے رات کی
چار کا عمل ہے، رات مختصر

خشک دلدل پہ فلک بوس سحاب
اژدہا ایک جہاں رہتا ہے

اک ولندیزی جہاز
بادباں جس کے کثیر
متلاطم بادل

گرمیوں کی بارشیں
ہے کوئی کشتی پہ
اُٹھتا ہے دھواں!

بام پر لوگ اک آگ کو دیکھتے
چاند ہیمنت کا

تاریک جنگل میں
گرے اک بیر
پانی کی صدا

ایک سگ سویا ہُوا
خالی مکاں کے در پہ اور
بید کے پیڑوں کے پتّے منتشر

آسماں صاف ، زمیں میں نم ہے
جوت پہلی یہ اراضی کی ہے !

چیختے ہیں حشرات
چاند ہوتا ہے برآمد ، ہے مگر
تیرہ تر باغ ابھی

اگن مکھّی
اس کی چمک
ہے خنک ہاتھ میں

شبِ مہ ، ریل روڈ کے اُوپر
نیچی پرواز راج ہنس کریں

صبح کی اوس
پکتے ہُوئے چاولوں کا دُھواں
گھاس پر رینگتا ہے

تبھی جھینگر دکھائی دے جب وہ
چیخنا بند کر کے جست کرے

کہنہ دیوار کے کُنج میں
بے حس و حرکت
اک حاملہ عنکبوت

اک آوارہ بلاّ
کرے فضلہ جاڑے کے گلُزار میں

ایک تالاب جنگل کے اندر کہیں
برف کی تہ ہے موٹی

چلے پژمردہ دلدل پر مسافر
سنگترہ کھاتا

سانپ بھاگتا ہُوا
پہاڑ چپ
لِلیؔ کا پھُول یہ

اگیں ساگا میں گھاسیں گرمیوں کی
ہیں ڈھیر دِں ڈھیر قبریں خوبصورت عورتوں کی !

اجاڑ اک ریلوے سٹیشن
کنول کے خوش رنگ پھُول مہکیں

فصلِ پائیز میں داخل ہوتے
پھُولتے پودوں کی تصویر کشی
کام ہر روز کا ہے

مردہ جسم
ایک روندے ہوئے
کیکڑے کا
یہ شامِ خریف

اک سرا کوہسار پہ لٹکا
کہکشاں ——

چاند ماں بھی ہے وہاں
زرد و اسپید گلِ داؤدی
ختم ہوتی ہے خزاں

نہیں مچھر بھی تو سیلاب کے بعد
آہ یہ خامشی و تنہائی !

ایک کوند بجلی کی
بیچ بن کے پیڑوں کے
ہے نمود پانی کی

ہم جہاں دیکھتے ہیں ٹھنڈک ہے
بُدھ کے لیمپوں ، خدُا کے لیمپوں کے ساتھ

ڈوبتے سورج کی کرنوں میں
جھنگارے ایک جھینگر
ایک سُونے گھر کے پھاٹک پر

گھر سے نکلو دس قدم باہر
خزاں کا ایک بحر بیکراں

خرابیٔ صحت کے بعد
گلابوں کو تکتے
تھکیں میری آنکھیں

دعائیں مینہ کی جائیں آسماں تک ؟
بجتے ڈھولو !

تم ٹھہرتے اور میں
جا رہا ، دو پت جھڑیں !

ایک تتلی
رہے پیچھے اکثر
وہ جو پانی کا ہے پُتّر

ادھر ڈوبے سورج
ادھر وہ
خزاں کے سمندر میں گھوڑے کو نہلا رہے ہیں !

افلاس میں دس سال کی طالب علمی
اک کمبل تار تار ادّھو رانا !

مرنے والا ہے بہت جلد مگر
ہے ہمیشہ سے زیادہ ہی پُر آواز
خزاں کا جھینگر

دیکھو رن بھومی پر
ایک ویران و تبہ گھر کے پاس
ایک کھلتا شجرِ شفتالو !

مجھ کو اُنھوں نے دس اک آڑو دیے
رفتگاں کو پیش کرنے کے لیے

پرندے چیخیں
درخت سے سرخ بیر پھینکیں

چاندنی رات کوّے ہنکنے سب
مثل انسانوں کے دکھائی دیں
کتنے مسکین کتنے قابلِ رحم !

اس گریزپا دنیا
میں ہیں کان اور آنکھیں
کوّے ہنکنا کی بھی !

جو کہ رہتے ہیں چھوٹے گھر میں وہ
لوگ ، باہر چلے گئے ، کر کے
باغ کی لالٹین کو روشن !

ختم آتش بازیاں
آدمی سب چل دیے
کس قدر ہے تیرگی !

شِیکو SHIKO

(۱۶۶۵ ۱۷۳۱)

ٹھنڈ اتنی کہ ہے سونا مشکل
اور اگر سو نہ سکو
اور بھی ٹھنڈ لگے !

شِیکیُو SHIKYU

گر کے شاخِ درخت سے اک سانپ
رینگتا ہے زمیں پہ گرمی میں

شِیہوُدا SHIHODA

(پ ، ۱۸۷۳)

گفتگو کے تھے جس قدر موضوع
ہو چکے سارے ختم ، لمبی رات

شارا SHARA

رات میں چلتے ہوئے
ہو رہی ہے برفباری
الوداع اک سال کو !

شُنکو SHUNKO

پہاڑی راستے پر ایک جھرنے کی صدا
گرمی

فُرُوایکے یا FURUIKEYA

رہے رات بھر
صنوبر کے پیڑوں میں چاند
(فلک کا چاند سگری رین رہتا ہے
صنوبر کے درختوں میں
صنوبر کے پیڑوں میں رہتا ہے
مہتاب شب بھر)

فُوگی اوکُو

FUGIOKU

چاند روشن
نہیں کوئی ایسی اندھیری جگہ
کر سکیں خالی ہم راکھ دانی جہاں !

فُوکوکُو

FUKOKU

سوتے میں بھی پنکھا کرے حرکت
گرمی !

فُوہاکُو

FUHAKU

(۱۸۰۷ — ۱۷۱۴)

بسنّاٹا

ناقوس کی آواز
چیری کے شگوفوں کو نہیں ہلاتی

CHERRY

فومی کونی
FUMIKUNI

خزاں کی پتّیاں
پھڑ پھڑائیں اور گر جائیں

آدمی کیسے لڑائی کرے جب
موت کا عزمِ مصمّم کرلے

ریزہ ریزہ ہو
برگ برگ کنول

ہے فقط استخواں مگر پھر بھی
نہ کھڑا ہو سکے نقاہت سے

○

کیکاکو
KIKAKU

(۱۷۰۷ — ۱۶۶۱)

اور کچھ نہیں
صرف مرد
اور ایک عورت وہاں
وہ کتنی گرم ہے!

کیوشی
KYOSHI

(۱۹۵۹ — ۱۸۷۴)

پڑھی جائے جب تو ہے غمناک ماضی کی تاریخ کتنی
مگر جلد ہی بھول جائے
پارینہ پت جھڑ

خزاں کی ہوا
کتنے دریا مرے دل میں کتنے پہاڑ

سانپ کھسک گیا
مگر وہ آنکھیں
جنہوں نے گھورا
مجھے، گھاس میں رہیں

بارش خزاں کی
پتھّروں پر، گرد پر
گرتی ہوئی

پہلی تتلی
خواب کی مانند
آنکھوں سے نہاں

دھند میں اپنے ساتھی کے آنے کی رہ دیکھتے

خزاں کی ہوا
دیکھتا ہوں میں جس چیز کو ہائیکو ہے !

KIGIN

کیگِین

(ایک شِنٹو بھکشو ـــ
ہائیکو میں باشو کا اُستاد)

بولی : گرمی کی یہ نقاہت ہے
اور ٹپ ٹپ ٹپک پڑے آنسو !°

○ جھڑی

" نہیں ، کچھ نہیں
یونہی ، گرمی کی شدّت سے
کمزور سی ہوگئی ہوُں "
یہی کہنے پائی کہ اک آنسوؤں کی
جھڑی بندھ گئی !

لامکاں تا لامکاں

(ڈاکٹر تصدق حسین خالد)

کاکے ای

KAKEI

(۱۷۱۶—۱۶۴۸)

گھاس کے تنکے اور ایک ٹڈّا
ہیں ٹوٹی ہوئی جس کی ٹانگیں

کی این

KIIN

(۱۷۴۸ — ۱۶۹۷)

چور نے راستہ لیا گھر کا
بید لہرائے اپنی شاخوں کو

کیتو

KITO

(۱۷۴۱ - ۱۷۸۹)

افق تلے کہیں خورشید ہو گیا ہے غروب
چڑھا ہوا نظر آئے بہار کا دریا

دل سوز ہوا
چاند گھٹے
رات بہ رات

پانی پینے کا، گرمی
مرا پیٹ پھولا

صبح کے وقت کا سہانا پن
اہلیہ جو حسد نہیں کرتی
کتنی دانا و خوبصورت ہے!

لبِ ساحل پہاڑیوں کی قطار
اور چھوٹے صنوبروں کے بیچ
بہ رہی ہے بہار کی ندّی

گدائے لنگ کا چہرہ ہے فکر سے خالی
ہے دن بہار کا یہ دن!

کیکاکوُ KIKAKU

(۱۶۶۱ — ۱۷۰۷)

شام کا موسمِ معتدل
کس قدر ہوں طربناک و شاداں
کہ پیدا ہُوا ہیں اک انساں!

اچانک د و نگڑا اک گرمیوں کا
کرے صہبا کی کیفیّت کو دُونا

سوچتا ہُوں میں جب یہ میری ہے
برف* چھتری کی ہلکی لگتی ہے

شبِ سرما
بلا سبب یونہی
باتیں ہمسائے کی میں سُنتا ہُوں

---

* ٹوپ کی برف

بجلی
کل پورب
آج پچھم

میں چت لیٹے ہُوئے چاہُوں
کہ آلوچے کے روتے پھُولوں کو چھُولوں!

اک گدا
گرمیوں کا لباس اس کا
ارض وسما

فصل کا چاند
بانس کی صف پر
نارون کے درخت کے سائے

مچھرّوں کے ستونوں کے اس پار
میرے خوابوں کا تیرتا ہُوا پُل
(نظر آئے گا تم کو) آویزاں

جائے نظر جہاں تک
مینڈک ملہار گاتے
شب کو چمکتے تارے

گرمیوں کی برستی بارش میں
ایک عورت اکیلی بیٹھی ہے
اور باہر کی اور تکتی ہے

منوّر چاندنی سے ہے جہاں برف
وہیں پر پھینکنا ہے زندگی کو

پھول آلوچے کے
تارا صُبح کا
لپٹا پہاڑی دھند میں!

کیورائی

KYORAI

(۱۶۵۱ — ۱۷۰۴)

(اس کے مرنے پہ کسی نے کہا :
بیک وقت اس کا ایک حصّہ نرم تھا
ایک حصّہ سخت)

نیلگوں آسماں
چاند گھٹتا ہُوا
پھُوٹتی ہے سحر

(نیلا آکاش
گھٹتا ہُوا چاند
دن پھُوٹتا ہے)

جھیل کے پانی بڑھے
گرمیوں کی بارشیں

اس قدر غادمائیں
میز پر سرو کرتی
اس بھبک اس تپش میں!

حکمرانی جہاں سکوت کی ہے
پُر سکوں ہیں تمام تر چیزیں

قابلِ رحم ہیں اندھوں سے زیادہ گونگے
چاند کو دیکھنے کی محفل میں

ہاتھ اپنے جُدا کئے ہم نے
ماہِ کم تاب بھی ہُوا رُخصت

بال و پر چیل کے ہموار ہُوئے
جاڑے کا پہلا چھینٹا

جڑواں پہاڑیاں
ہیں دونوں منعکس
اک دوسرے کی جو
ہریالی تھاہ میں

اسے ہر چند میں کہوں : اے اے!
پھر بھی وہ کھٹکھٹائے جاتا ہے
بڑے پھاٹک کو برفباری میں

مرے سر پر کھڑا ہے عمر کا کیا میں جیے جاؤں ؟
خدا کا شکر ہے اس کا ہے احساں

ٹھنڈ کھیتوں ، پہاڑیوں کو بھرے
گونجتا زمزمہ دعاؤں کا

نکیلی کگر پر
ہے کیا مہماں چاند کا
دوسرا آدمی بھی ؟

دگاروں کی یہ نوکیں
کیا یہاں بھی
چاند کا مہماں ہے کوئی ؟)

بھائی اک دُوسرے پہ ڈالتے ہیں
تیرگی میں نگاہ — اک کُوکُو !

چاندنی میں نظر آئیں
کہسار (ان) پانچ
انگلیوں کی طرح

ہلال کا سینگ بادلوں میں سے
نکلا باہر کو دے دکھائی

اک جنازے سے لوٹتے میں نے
ایسی ہی رات چاند کو تاکا

او ! موسمی پرندو !
میں بھی ہوں اک مسافر
آبائی دِہ میں اپنے
دگاؤں آبائی میرا
کرائے کے بستر میں
فصلی پرندے !)

(آبائی گاؤں میں بھی
او موسمی پرندو!
راہ چلتے کا ہے سونا)

آسمانِ نیلگوں
زرد رُو مہتاب اک صُبحِ پریدہ رنگ میں!
(نیلا انبر اور ایک گھٹتا چاند
دن افق سے طلوع ہوتا ہے)

کیوروکُو

KYOROKU

(۱۷۱۵ — ۱۶۵۶)

(ایک سمورائی - کہا جاتا ہے کہ اس نے باشو کو تصویر کشی سکھائی)

جاتی ہُوئی خادمہ
چھاتا لیے ہاتھ میں
باہر شفق کو تکے

دن پھوٹ رہا ہے راج ہنسوں کی
آوازیں کریں احاطہ قلعے کا
(احاطہ کریں راج ہنسوں کی
آوازیں قلعے کا
دن چڑھ رہا ہے)

حاملہ ، اِس مہینے دن پُورے
پہ پنیری وہ دھان کی گاڑے

کویوں کو خشک کرتے
رستے کے اک کنارے
گرمی ہے کس بلا کی !
(سکھاتے سرِ راہ ریشم
کے کویوں کو ، گرمی !)

سارس کے جوڑے نیچے آتے
ان کی آوازیں ایک دوسرے کے اوپر
سردی رات کی بڑھتی !

کایا

KAYA

چُپ ہے پون کی گھنٹی
گرمی گھڑیال کی

کاگیو

KAGYO

گھٹا برسنے ہی والی تھی
اب ہوتا ہے صاف مطلع
گرمی !

کوا اے ای KOEI

ٹرّا رہے ہیں مینڈک
ان کے بھجن پہ تم بھی
پڑتے ہو نرم سانپو ؟

کیوکُوسُوای KYOKUSUI

(ایک سموُرائی جسے اپنے ایک آدمی کو قتل کر دینے
پر ۱۷۱۷ میں خود کشی کرنی پڑی ———)

شام کا تارہ ہو روپوش پسِ قُلّۂ کوہ
آئے آوازِ غزال !

سرد رات ، آبشار کی آواز
جو سمندر میں نیچے گرتی ہے !

---

۵. SAMURAI

کویو

KOYO

(۱۸۶۷/۶ — ۱۹۰۳)

کس قدر خوشنما ہے مرجانا
قبل اس کے کہ خشک ہو شبنم
(اوس کے سوکھنے سے پہلے ہی
مرگ سے ہمکنار ہو جانا
یہی بس معنی آفریں ہوگا!) (شعرِ مرگ)

کوسا داؤ تا

KUSADAO
T'

(پ ۱۹۰۱،)

کتنی مضبوط ہے بچّے کی زبان
اڑتی اڑتی ہوئی برف

دونوں بوڑھے ہوگئے
دوست میرا اور دروازے کی تختی دونوں
آغازِ خزاں

ہیں نئی صرف ابابیلیں ہی
آسماں میں جو تنا شہر پہ ہے

بولنے والے کے نقشِ پا ہر جا

شفیق جیسے کہ میرے مرحوم دوست کا ہاتھ
میرے کندھے پہ جو رکھا ہو
خریف کی رُت کی یہ تمازت!

کیسُو
KISU

پرندے بھی تانبے کی چھت پہ نہیں آتے اب
ہے دھوپ اس قدر گرمی اتنی!

کیکی گوتو
KEKIGOTO

(۱۸۷۳ــــ۱۹۳۸)

سرد یومِ بہاراں
بنا جبڑ کے کھیتوں پہ بادل

کنسائی

KENSAI

شبنم و ابر بھی مستور ہیں
اس شام کا چاند

کیگو

KIGO

اتنا تنہا
آج میں نے جلد کھانا کھا لیا
پت جھڑ کی شام !

گوچی کُو

GOCHIKU

یہ لمبی رات
آواز
کھے پانی کی جو میں سوچتا ہوں !

گینکو

GINKO

(۱۸۵۷ء)

اپنے سینے پہ رکھ کے چونچ اپنی
دیکھو آبی پرندہ روتا ہے!

گیکّوشی

GEKKOSHI

جھونپڑا ایک لیمپ سے روشن
ایک ندّی بھی بہ رہی ہے قریب

گیکّیو

GEKKYO

(۱۸۲۴—۱۷۴۵)

شام کو چہچہا کرے بلبل
اسی آواز سے جو صبح میں تھی

گیودائی

GYODAI

(۱۷۳۲ــــ۱۷۹۲)

صبح کے سرد آسماں میں فقط
اک صنوبر کا پیڑ چوٹی پر

خزاں کی پہاڑیاں
یہاں اور وہاں
اُٹھ رہا ہے دھواں

جا کوئی نہ جانے کی
چونٹیا لے مٹّی کے
گرمیوں کی بارش میں

میری خاطر
نہ کرو لیمپ کو ابھی روشن
بہار کی اس شام

موکودو
MOKUDO

موسمِ سرما کی اک جُوئے سفید
برگ ہائے ریختہ کے درمیاں

کبھی پیچھے سے دیکھو گر ہرن کو
تو لگتا ہے سراسر غیر دلکش

چل رہی ہے بادِ بہار
اور جَو کے کھیتوں میں
ہیں صدائیں پانی کی

مُوچو
MUCHO

(۱۸۰۹ — ۱۷۳۳)

جو بارش پہاڑوں کو دھوتی ہے
آبِ خزاں
کوئی رنگ اس کا نہیں!

موئن

MOEN

زیرِ ماہِ خزاں
ہیں ساکن ڈریگن فلائی کے پر

میچی ہی کو

MICHIHIKO

(۱۷۵۵ — ۱۸۱۸)

برف کی لو سے خوابگہ روشن
سرد ہے سرد ہے مگر پھر بھی

دو گھر
کھلے ہیں کواڑ
خزاں کے پہاڑ

موکوسیتسُو
MOKUSETSU

(ایک ڈاکٹر تھا۔ جس نے باشَو کے مرض الموت
میں اس کی تیمارداری کی ۔ اس نے دوسرے
ڈاکٹر کو بُلانا چاہا لیکن باشَو نے کہا :
اگر میری قسمت یہی ہے تو کوئی میرے
مرض کو رفع نہیں کر سکتا۔ مجھے تم پر اعتماد
ہے موکوسیتسُو ! اپنے آخری دموں تک —)

پُرانا شجر
کھلتے پھُولوں کو جو ناخوشی
سے تکے !

موری تاکے
MUNETAKE

(۱۴۷۲—۱۵۴۹)

خوشبوئے شیریں پھول میں اتنی نہیں
جتنی ہماری ناک میں

گری پتّیاں یوں لگیں جس طرح ڈال کو لوٹ آئیں
اور ایک تتلی

گرمیوں کی رات
سُورج بیدار
میرے پپوٹے بند!

مے ای سیتسُو MEISETSU

(۱۹۲۶ — ۱۸۴۷)

کچھ کہے کوچوان گھوڑے سے
رات کی ٹھنڈ

سفر کرتا پجاری
دھند میں غائب
ہے آواز اس کی گھنٹی کی

میں تو کرتا ہوں بس طلب تُم سے
گرم پانی کی ایک بوتل، ٹھنڈ

موکوکُو MOKKOKU

(پ، ۱۸۸۹)

دروازہ کھول کر
جاتا ہے اک قمر
اس برف زار پہ

ماساہیدے MASAHIDE

(۱۶۵۷ — ۱۷۲۳)

چاند کی طرح مجھے پانی سے
دوستی کرنے دو ہنگامِ وداع !

مے ای مے ای MEIMEI

(۱۷۳۸ — ۱۸۲۴)

ایک کُتّا بھونک رہا ہے
کوئی ضرور گزر رہا ہوگا
برف کی اس شام !

نائی اوفو
NYOFU

اپنے بننے ہی کے دن سے ہے قدیم العہد
کوّے ہیں کتنا

نِسّو
NISSHO

صنوبر کے خاموش پیڑوں کے سائے میں
آبی پرندے
بلاتے ہیں اک دُوسرے کو

واتسُوجِین
WATSUJIN

(۱۸۳۶ — ۱۷۵۸)

گیلاس کے شگوفے
لاتے ہیں کل جہاں کو
پیڑوں کے زیرِ سایہ۔

وافو

WAFU

ہم سنتے ہیں کیڑوں کو
اور انسانی آوازوں کو
مختلف کانوں سے

ہاجین

HAJIN

(۱۶۷۷ — ۱۷۴۲)

(کیکاکو اور ران سیتسو کا شاگرد اور بوسن کا استاد)

رات کو برف میں میخانے کو جاتا ہوا اک غازی مرد

شام کے جھینگر کی چیخ اک ناگہاں
ہے چاند رات

مجھے معلوم نہ تھا میری پذیرائی کو
کشورِ غرب ہے آغوش کشا

(شعرِ مرگ)

ہوسائی
HOSAI

(۱۸۸۵ــــــ۱۹۲۷)

کھانستا ہُوں مگر اکیلا ہُوں

ایک کاگ پاس سے
خامشی سے اڑ گیا

بے کراں آسمان کے نیچے
میرے سر پہ نہیں ہے ٹوپ کوئی !

سیاہی اور نہ چوُسے گا اب سیاہی چوس
(اب اور نہ چوُسے گا سیاہی، جاذب)

ہوشا HOSHA

(۱۸۸۵ — ۱۹۵۴)

سانپ مر رہا ہے
اور پاس بچے
باتیں کر رہے ہیں

اک نیا دن شروع ہوتا ہے
دیکھو گرتے ہوئے وہاں پتے !

ہتسوتارو HATSUTARO

برگ ہائے ریختہ کا راستہ
ختم ہو جا کر قبورِ کوہ پہ !

ہاتیکو

HATKYO

قفس میں بند عقاب
ہو جب اکیلا تو پر اپنے پھڑپھڑاتا ہے

ہاکیو

HAKYO

(پ، ۱۹۱۳)

اچانک مجھے ڈر لگتا ہے
کچھ نہ کچھ واقع ہوگا
چاند مچھّر دانی میں ؟

ایک سارس لے گیا پت جھڑ کی رات
جذبے آشناک سب کے سب مرے

ہاسُواو HASUO

اپنی کہانی کہتا
بال اک روئے بیٹھا
ماں اُس کی سُن رہی ہے

ہانزان HANZAN

زبان پہ شبنمِ گُل رکھ کے گائے مرغِ چمن

ہوکُوشی HOKUSHI

(۱۶۶۵ — ۱۷۱۸)

جل کے خاکستر ہُوا (میرا مکان)
گیلاس کے لیکن شگوفے
گر چکے تھے سب کے سب!

نہ دے نسیمِ خزاں ہی فقط خزاں کی خبر

صدائے دریا
گلابِ شاروں پھولتا ہے جہاں
وہ در بند ہے
ابھی تک!

سارے مستول اک قطار میں ہیں
دُھند میں ہے جزیرہ پوشیدہ

ہاشِین HASHIN

نہ زمیں ہے نہ آسماں
بس برف

○

ہیوکا

HYOKA

ایک بیوی ہے مری
بچّے بھی ہیں
گرمی کا گھر !

ہاجی مے

HAJIME

ننھّے پرندے گاتے
پیانو پہ ہلکی گرد

ہاسن

HASEN

لڑائی مینڈکوں کی
کنوئیں کے خشک ہونے کے لیے تیّار ہوتے

یایُو

YAYU

(۱۷۰۱/۲ — ۱۷۸۳)

(اُونچے درجے کا سمورائی تھا)

ایک بچّے سے زیادہ پیٹھ پر
ایک بچّہ بازوؤں میں
گرمی، اُف!

چھینک کہ کر دیا
میں نے کوّے کو غائب
(میں چھینکا تو چکاوک ہوگئی اوجھل)

ایک دو تین ستارے
نظر آتے ہیں مجھے
اور مینڈک ہیں کہ ٹرّاتے ہیں

ایک کسی کا پسینہ دار جسم
ہے حرارت وہ اسی کی بنچپتی ؟

ایک چھتّہ بھڑوں کا ، اے لو !
چہرے پر تولیہ لپیٹ کے وہ
سامنے آکے ان کے جسم بھٹونکے
اور دعوت مبارزت کی دے !

ایک ہی کا شکے رہو زندہ
جھینگرو اے خزاں کے موسم کے !
(اتنے بہت جھڑکے جھینگروں میں سے
ایک ہی کا شکے رہے زندہ !)

○

یوکادائیشی YOKADAISHI

چاند دریا پر چمکتا ہے ، ہوا
ہو کے اشجارِ صنوبر میں چلے
رات ساری پرسکوں ہے کس لیے ؟

یامے ای YAM EI

ایک دُرّاج کی صدائے تیز
کشت زارِ بہار کو چیرے

یاسو YASO

(پ ، ۱۸۹۲)

بلّی اک سردیوں کے طوفاں میں
اپنی آنکھیں جھپکتی رہتی ہے

یُوسُوای

YASUI U

یا

(۱۶۵۸/۷ — ۱۷۴۳)

ویرانی ، شرت کال
آہ — آہ

آواز اک فاصلے پر سے مندر کے ناقوس کی

مجھے معلوم ہے مرغابیوں نے
جو کھا لیے میرے
بدا ہوتی ہیں جب ہوتا ہوں میں اندوہگیں پھر بھی

یاوا

YAWA

(پ ، ۱۸۹۵)

یہ مانس جو سرکنڈے کاٹیں
کلاسکس پراچین جگ میں
انہوں نے یہ سیکھی ؟

نامعلوم

وہ پُرانا خالی گھر
ہے قدیم اتنا کہ اب
ہے یہاں اصلی وہی!

ایک تنہا پرندہ
ادھر مڑتا
میں ہُوں یہاں

تلخ وشش صبح
بیٹھیں چڑیاں بغیر گردنوں کے

اک نئی قبر کے پاس
ایک نادادہ محبت کا کُھلتا ہُوا بوجھ

زمستانی ہوا
چھوئے
انہی پتّوں کو دوبارہ
نہیں یہ ہو نہیں سکتا!

پھول میرے دوست
میرے میزباں ہیں آج رات

ننھّی مکڑی نے کر دیا، کرنا
اس پیالے کے خالی پن کو ضبط

ایک خواب رہی تھی
دوپہر گرمیوں کی

مکھّیاں دو اور اس قدر چھوٹی
پال کھائیں گلاب پر بیٹھی
ہے یہ حیرت کہ وہ ملیں کیسے

شہر کی تنہائی
طوفانی ہوا کے ساتھ رقصاں
کل کی خبریں

ایک پرانے متروکہ
ساحلی مکان میں سے آہستہ سے
حرکت کرتے سائے چاند کے

صبا کی بات سُنتے ہیں
ہم اشجارِ بلوطِ گلستاں میں

چاند کے بارے میں اس شام
نہ سوچے بس اکیلی بارش

شعر کے اسرار سے اپنی جہالت پر
تاسّف ہے مجھے
میرے حضور!

○

خواتین ہائیکو نگار

چی گیتسو ٥

CHIGETSU-NI

(۱۷۰۶ — ۱۶۲۲)

(رشیکی نے اس کے بارے میں کہا :
کنول کے پھول کی مانند تھی وہ پاکیزہ)

پھول اپنے شباب پر ہیں، نہیں
خبر ان کو مرے بڑھاپے کی

وہ سایہ ہے کیا میرا ؟
دیکھا تو وہاں پتّے
تھے ریختہ پیڑوں کے

آستینوں میں کوّے ہنکنا کی
کر رہا ہے کرر کرر ٹڈّا

---

٥ بھکشونی ، راہبہ

لوگ تو بالا رادہ جاتے ہیں
کوہِ فُوجی پہ برف دیکھنے کو

برف کا زلزلہ افگن طوفاں
اُونچی آوازیں گاتے ہُوئے
کہسار و سمندر پر طیور

بہت سی راہبائیں
نہیں کم قابلِ رحم
جو کوّے ہنکنوں سے

بہار کا انتظار کرتے
ملی ہے مٹّی میں اور کوُڑے میں
برف کیسے !

(وہ اس کا بیٹا او تو کُونی اور بہو کاگیتسو (KAGETSU) تینوں
باشو کے شاگرد تھے)

سُوتے جو SUTE-JO

(۱۶۹۸ — ۱۶۳۳)

دیکھنے میں یوں لگوں
بوجھ میرے ذہن پر کوئی نہیں
شام اک پائیز کی !

ابر آلود رہگذاروں میں
کوئی نزدیک کی بھی راہیں ہیں ؟
اے مہِ شب نوردِ تابستاں !

کس قدر گرم ، گرم جلدِ بدن
ایک عورت جسے چھپاتی ہے

○

شوفُونی
SHOFU-NI

(۱۶۸۸—۱۷۵۸)

ماہِ خزاں
دالان کے ستوں کے سہارے جُھکا ہُوا
اور گرد اس کے گھومتا!

آواجی جو
AWAJI-JO

آدمی ایک بورہا ہے جو
کس قدر منکسر مزاجی سے!

○

چینے جو

CHINE-JO

(کیورائی کی چھوٹی بہن

باشو نے اس کی موت پہ لکھا :

گرمیوں کی فضا اور اب مُردے کا

پیرہن بھی)

جلے کتنے آرام سے
بجھے کتنے آرام سے
یہ شب تاب کرمک یہ جگنو

(اس کی نظم مرگ)

رات چاہے طویل ہو کتنی
میں سفر سے تھکی ہوئی لیکن
رات بھر بے تکان سوتی ہوں

سونوجو

SONO-JO

(۱۶۴۹ــــــ۱۷۰۳)

باشو نے اپنی موت سے تقریباً دو ہفتے قبل اوساکا میں بسترِ مرگ پر اس کے بارے میں کہا :

ایک اسپید گُلِ داؤدی
جس پہ مٹی کا نہیں دھبہ بھی ا

پچھلے دنوں میں نے سونوجو کے گھر پر یہ شعر کہا :

سبزک اسپید گُل داؤدی
غور سے دیکھنے کے وقت بھی بے داغ ہے

اور یہ میرے اس شعر سے ملتا ہے جو میں نے اس سے پہلے بنایا تھا :

اوہ دریائے اوئی !
لہریں شفاف و مصفا اس کی
ماہِ شتا !")

(خشک) پژمردہ بنفشے
کاغذی رومال میں

میں بنفشے چُنتی، ان میں منہمک
کس قدر مصروف تھی!

کُتّا بھونک رہا ہے
پتّوں کی آواز پر!
ایک جھگڑا چل رہا ہے

وقت پوشاک کے بدلنے کا
کوئی کپڑا نہیں بُنا میں نے
آہ میرا گناہ سنگیں ہے!

بچّہ مری کمر پر
بالوں سے میرے کھیلے!
گرمی!

میرے ماتھے کو دباتی ٹھنڈک!

○

شوشی کی

SHUSHIKI

(۱۶۶۸ — ۱۷۲۵)

اپنے بدن سے بچّے کو شدّت سے بھینچتی
مینہ بھی برس رہا ہے گرتی ہے برف بھی

بنفشے کو چھُوتی ہے تیتر کی دُم
کتنی آہستگی سے

اپنے سپنے سے میں بیدار ہُوئی
کیسی رنگت تھی دھنک پھُولوں کی !

کہر میں کونج مگر میں
زمین پر بھی رضائی بچھا نہیں سکتی !

شیسے ای جو

SHISEI-JO

میں جاڑے کی بارش میں چلتی ہُوں جوُنہی
مجھے چھتری پیچھے دھکیلے !

چیو جو
CHIYO-JO

(۱۷۰۳ — ۱۷۷۵)

تتلیاں ناچتی، مٹیار کے
آگے پیچھے

گو مجھے انتظار تھا تیرا
اے ہٹوٹوگی سُو، ہٹوٹوگی سُو!
کیا کروں نیند آگئی مجھ کو

(ہٹوٹوگی سُو، ہٹوٹوگی سُو
میں نے انتظار کیا اور دُہرایا
اور دن نکل آیا)

صرف دریا میں
اندھیرا بہ رہا ہے
کِرم ہائے شب چراغ!

ہ HOTOTOGISU

تیتری دیکھے کونسے سپنے
پھڑ پھڑاتی ہے جو وہ پر اپنے ؟

مُردہ بچّہ
کاغذی اسکرین کس نے پھاڑے ؟
کتنی ٹھنڈ ہے !

نقشِ پا ہیں کسی مرد کے
پہلے گیلا اس کے یہ شگوفے !

نیچے کیسے ایسے بید کی جھلملیاں
اس تیرتی کشتی میں ہے بیوی کس کی ؟

لیٹتے اُٹھتے
ہے کتنی بڑی مچھّر دانی !

جب ہم جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں
جنگل میں جنگل کی اپنی گرمی ہوتی ہے

بخشے آلوچے کا پھول اپنی سگندھ
اس کو توڑے جو ڈالی اس کی

(دیکھو دیکھو) فقیر کا نیچہ !
دل کش و جاندار ہے کتنا !
گائیں کیڑے مکوڑے چاروں کوٹ

ایک سو لوکیاں
ایک ہی بیل کے ذہن سے آئی ہیں ٭

٭ بدھی کہاوت : تریے لوک (اقلیمیں) ، ایک ہی ذہن ہیں
تینوں
: فقط ذہن ہیں تینوں لوک

: ساری اشیا فقط تصور ہیں

○

سے ای فوجو SEIFU-JO

(۱۷۳۱ — ۱۸۱۴)

بچہ اس لمحے بھی
جب اسے پھول دکھایا جائے
کھول دے منہ اپنا

دوسرا ہر کوئی سو چکا
میرے اور چاند کے درمیاں
کچھ نہیں!

اوشو OSHU

(ایک ،جاوینیا - ایڈو میں یوشی واڑے کی طوائف!)

عشقِ جاناں میں اگر مرجاؤں
تو مری قبر پہ شیون کرنا
اوہٹو ٹوگی سو^ہ!

^ہ HOTOTOGISU ننھی کوئل - ایک فصلی پرندہ جو گرمیوں کے شروع میں جاپان میں آتا ہے۔ پہاڑیوں کی بلندیوں پر اپنا نشیمن بناتا ہے اور چاندنی راتوں میں، عموماً اڑتا ہوا، اندوہناک نغمے فضا میں بکھیرتا ہے۔

سوگیتسُونی

SOGETSU-NI

(وفات ، ۱۸۰۴)

اک پُر اسرار جمال
بُدھ کے بُت سب
گرے پتّوں سے ڈھکے

رقص کے بعد
صنوبر کے درختوں میں ہوا
کیڑوں کی آوازیں !

کانا جو

KANA-JO

(آخر سترھویں صدی —— کیورائی کی بیوی)

کان جُو کے کریں مرتعش تتلیوں کا تعاقب

گذریں ان گھرے بنوں سے نہ پرندے چھوٹے

اُوکونی UKO-NI

(شروع اٹھارویں صدی)

(کیورائی کی بڑی بہن، بونچو کی بیوی جو سر منڈوا کر بھکشونی بن گئی — اگرچہ باقاعدہ کسی مٹھ میں داخل نہیں ہوئی)

کہاں ہے میرا بیٹا ؟
اس کو تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہیے
اس شب برف !

بہار کا مینہ ابھی رُکا ہے
چہکتی چڑیاں ہیں اولتی پہ !

کیکوُشانی

KIKUSHANI

(۱۸۲۶ ۱۷۵۲)

چاند اور میں ہی پُل پر
بس رہ گئے اکیلے
سردی کا لُطف لیتے

(چاند اور میں
رہ گئے اکیلے
پُل پر ٹھٹھرتے)

قرمزی رنگ پتّوں سے بڑھ کر
کہیں سبز دھانوں کے کھیتوں کا ہلنا!

○

یوری اے
YORIE

(پیدائش : ۱۸۸۴)

(سوسیکی اور شیکی کی معشوقہ)

ہے جاڑے کے دھوپیلے دن کے
سمندر کا بلّی کی آنکھوں میں رنگ

میدوری جو
MIDORI-JI

(پیدائش : ۱۸۸۶)

ایک تتلی نے چھوڑا
خزاں کے پہاڑوں
میں تنہا مجھے

خزاں کی ہوا
ایک گھوڑا لدے جس پہ پتھر
نہیں کرتا حرکت!

تے ای جو TEIJO

(پ ، ۱۹۰۰)

بیچتا ہے سُنہری مچھلی جو
اس کی دکّان پر مرے قطرے
گرمیوں کی اگیتی بارش کے
گریں پٹ پٹ زمیں پہ چھتری سے!

شی ذُونوجو SHIZUNO-JO

(۱۸۸۷—1951)

مختصر رات
بچّہ
بلکتا ہُوا دودھ کے واسطے
خلاصی کبھی اس سے ہوگی مری؟

ہی ساجو

HISA-JO

(۱۹۴۵ — ۱۸۹۰)

(۵۵ سال کی عمر میں پاگل ہو کر مری۔ ہر وقت کسی نہ کسی کے
عشق میں مبتلا رہتی۔ اس کی شادی ایک کلاکار سے ہوئی تھی)

چاندنی
میرے باریک کپڑوں کے اندر
مری جلدِ تن تک

○

تاکاکو

TAKAKO

(پیدائش : ۱۸۹۹)

برف پوش دلدل
اندھیرا چھا رہا ہے
میں بغیر روشنی کی سلیج میں ہوں

کویُونی

KOYU-NI

(و ۱۷۸۲)

بارش بھی ہے منجملہ ان چیزوں کے جو
فصلِ بہاراں میں مجھے مطلوب ہیں

شگوفے چیری کے گرتے ہیں، پھر
سے ذہن لوگوں کے پُرسکوں ہیں

ہ برفانی گاڑی SLEDGE

تایوجو

TAYO-JO

(۱۸٦۵ — ۱۸۷۲)

ننھی چڑیاں یہ آگئیں دیکھو
ایسے لگتا ہے ہو گیا شاید
انہیں معلوم وقت کھانے کا

لوگ آتے
لوگ جاتے
بند کے پر ساتھ ساتھ
ہے ہمہ بادِ بہار

اے زمستاں کی مگس
میں بھی ہوں سرما زدہ
عمر کی بیجا طوالت کے سبب

کر کے اک اک ، ہر کسی کا نام ہونا چاہیے
گھاسیں یہ سوزندہ ۔ سبز !

کان آمی کی یت سُوگوُ

KAN AMI KIYOTSUGU

سْوتوباکُماچی

٥ سٹوپا

یہ نوہ تمثیل ، اونو نو کماچی ——— قدیم جاپان کی طنّاز و طرحدار شاعرہ کے بارے میں ہے۔ جس نے اپنے ایک بگڑے دل رئیس عاشق سے ملاقات کی شرط یہ رکھی کہ وہ اپنی رتھ میں بیٹھ کر سو راتیں متواتر اس کے گھر کا طواف کرے وہ بے چارہ اس صبر آزما امتحان کے پورا ہونے سے عین قبل چل بسا۔ لیکن اس کا ناآسودہ سوزِ عشق اور شدید جوشِ رقابت کماچی پر جب وہ ایک خستہ حال و خشک سال عجوزہ بن چکی تھی متصرف ہونے کے لیے لوٹ آیا۔

○ سب سے بڑا نوہ نگار اور نوہ کا ناقد
زیامی موٹوکیو
ZEAMI MOTOKIYO
(۱۴۴۳-۱۳۶۳) نوہ کھیل کی تین بلند ترین
قسموں کا بیان کرتے ہوئے ان شعروں
کا حوالہ دیتا ہے :

۱ : سِلاّ میں آدھی رات کو روشن ہے آفتاب
۲ : ہزار پربتوں پر برف کی جمی چادر
ہوئی نہیں ہے سفید اک اکیلی چوٹی کیوں ؟
۳ : ڈھیر اک برف کا چاندی کے پیالے میں لگا

ان سے نوہ کے تین لاینفک اجزا
اس کی آخرت پرستی
اس کی گہرائی
اور اس کی خاموشی
کی طرف اشارہ مقصود ہے

اشخاص

پہلا پجاری

دوسرا پجاری

کُماچی ـــــ خود اور اپنے دیرینہ عاشق کے رُوپ میں

کورس

دونوں پجاری : اُونچے نہیں پہاڑ چھپاتے ہیں جن پہ ہم
اُونچے نہیں پہاڑ چھپاتے ہیں جن پہ ہم
اپنے دلوں کے سُونے عمق

پہلا پجاری : گو یہ کوہ کا
میں اک پجاری ہُوں اور اُتر کر پہاڑ سے
اب شہر جانے راہگذار پر ہُوں گامزن

دوسرا پجاری : جو بُدھ کہ تھا کبھی کا وہ تو کُوچ کر گیا
جو بُدھ کہ ہونے والا ہے آیا نہیں ابھی
دُنیائے آب وگِل میں کیا ہم نے جب ظہور
ہم جاگے درمیان کی دُنیا کے خواب میں
یہ اتّفاق تھا کہ ہم انسان بن گئے
امکان اور ورنہ ہزاروں ہزار تھے
ہم پا گئے خزانۂ قانونِ پاک کو
ہر قسم کی نجات کا گویا جو بیج ہے
پھر سوچتے دلوں سے بدن اپنے رکھ دیئے
کالی سیاہی جیسے لباسِ مہین میں
ہم بُدھ کے جاں نثار ہیں ہم کو بزورِ کشف
اس زندگی سے پہلے کے جنموں کا علم تھا

اس زندگی سے پہلے کے جنموں کا علم تھا
یہ بھی تھا علم ان کی محبّت نہیں ہے قرض
ہم پر جو اس جنم کا ہمارے بنے سبب
پہچانتے نہیں تھے کسی والدین کو
پروا ہماری بھی کسی اولاد نے نہ کی
ہم اک ہزار کوس چلے اور اس پہ بھی
ہم کو ہماری راہگذر مختصر لگی
طاری ہوئی تکان تو کھیتوں میں پڑ رہے
رات آگئی اگر تو پہاڑوں پہ کاٹ دی
گھر بھی ہمارے اب ہیں وہی آستان بھی

کماچی: آؤں گی ایک جڑ کٹے سرکنڈے کی طرح
الجھائے دامِ موج اگر تو میں آؤں گی
میں آؤں گی میں جانتی ہوں کس طرح مگر
ندّی کوئی بلاتی ہے اس درد کو نہ لہر
کوئی مزاج پوچھتی ہے کس قدر ہے قہر!
آیا ہے ذکر اس کا تو انکار کیا کروں
عرصہ ہوا کہ میں بھی سراپا غرور تھی
مجموعۂ نزاکت و تمکین و سرکشی

جو نو بہارِ ناز ہو مغرور کیوں نہ ہو؟
زریں طیور تھے مری زلفِ سیاہ میں
لہراتے بید کی تھی لچک میری چال میں
وہ سرخوشی کہ جیسے نسیمِ بہار ہو
آوازِ عندلیب کی، برگِ گلابِ شاخ
دُور و دراز پھیلے خیابستہ اوس سے
بے سانس کے زوال سے پہلے کے لمحے میں
میں ان سے بڑھ کے دلکش و صاحب جمال تھی
اب کیا ہُوں میں حقیر تریں سے حقیر تر
موضوعِ عام و خاص ہیں رسوائیاں مری
میں ہُوں رہینِ سال و مہِ ناخوش آمدید
سو سال کا خرابہ ہے میری پناہ گاہ
پہچان اہلِ شہر کو تاکہ نہ ہو مری
حیران ہو کے وہ نہ کہیں: کیا یہ ہے وہی؟
مغرب کی سمت چاند کے ہمراہ وقتِ شام
میں قصر کے قریب سے ہو کر گذرتی ہُوں
کلسوں کے پاس سے جہاں ٹوکیں نہ پہرہ دار
پیڑوں کے سایوں اور پہاڑوں کی کھوہ میں
کوئی جہاں نہ ہو کہ کرے جرح روک کر

مجھ سی نباہ زائرہ خستہ حال سے
منزل ہو جس کی مقبرۂ عشقِ رفتگاں
دریائے کاتسورہ، خزاں کی پہاڑیاں
کھنیا ہے چاند رات مگر کشتیوں کو کون؟
دِکھتا نہیں ہے مجھ کو، یہ کھنیا ہے ان کو کون؟
تکلیف دِہ یہ بات ہے تکلیف دِہ بہت
اس پیڑ کے تنے پہ کہ جو سُوکھ کر ہے ٹھنٹھ
ٹک بیٹھ کر بحال کروں میں حواس کو

پہلا پجاری: آؤ قدم بڑھاؤ ہو کھوٹی نہ اپنی راہ
سائے دراز ہوتے ہیں وقتِ غروب ہے
دیکھو مگر وہ بیٹھی ہے بوڑھی فقیرنی
کچھ پاس اس کو پاک سٹُوپے کا بھی نہیں
سمجھی ہے اس کو عام سی کوئی نشست گاہ
اس کو وہاں سے ہٹنے کا فی الفور ہم کہیں
دُوسرا پجاری: ہاں کیوں نہیں!

پہلا پجاری: معاف کرائے پیرہ زن اگر
تم کو نہیں ہے غالباً اس بات کی خبر

بیٹھی ہو جس پہ تم وہ سٹوپا ہے سر بسر
یعنی شبیہِ پاک یہ اوتار بُدھ کی ہے
اُٹھو شتاب بیٹھو کسی اور چیز پر

کماچی : بُدھ کی شبیہِ پاک! کہا تم نے کیا یہی؟
مجھ کو حروف اس پہ دکھائی دیئے نہ نقش
سمجھی تھی میں تو اس کو بس اک پیڑ کا تنا

پہلا پجاری : تنہا تریں پہاڑ پہ سوکھے ہوئے تنے،
معروف ہیں صنوبر و گیلاس سے ابھی

کماچی : میں بھی تو ایک پیڑ ہوں جو ہے گرا ہوا
اس خستگی کی شان میں بھی میرے دل کے پھول
شاید کہ نذر بن سکیں بدھ کے حضور میں
بدھ کا بدن مگر اسے تم کہہ رہے ہو کیوں؟

پہلا پجاری : ہیرے کے بدھ کے جسم کا مظہر کہیں اسے
کرتا ہے جب بھی عارضی صورت وہ اختیار
ہنگامِ ہر ظہور جو ہوتا ہے بار بار

کماچی : کیا کیا وہ دھارے صورتیں اس کا ہو جب ظہور؟

پہلا پجاری: پانی ، فضا ، زمین ، ہوا اور آگ کی

کماچی : انسان کے جو عناصرِ خمسہ ہیں بس وہی ؟
کیا امتیاز ان میں رہا ؟ فرق کیا ہُوا ؟

پہلا پجاری : صُورت اگرچہ ایک تھی طاقت تھی مختلف

کماچی : طاقت ہے کیا سٹوپے کی؟

پہلا پجاری : دیکھے جو ایک بار
اس کو ہمیشہ کے لیے محفوظ و مطمئن
وہ تین بدترین بلاؤں سے ہو

کُماچی : اگر
ایسے کہیں تو کوئی خرابی ہے کیا ، کہ ہو
اک ناگہاں خیال سے تنویر کا ظہور

پہلا پُجاری : گر ہو چکا ہے نُور یہ حاصل نہیں تو پھر
دھوکے کا اک مقام ہے دُنیائے رنگ و بُو

اس میں بھٹکتی پھرتی ہو کیوں؟ رک رہی ہو کیوں؟

کُماچی : میرا بدن اگرچہ ہے اٹکا ہُوا ابھی
دل کر چکا ہے ترک اسے ، مدّتیں ہُوئیں

پہلا پجاری : عاری ہو چونکہ دل سے اسی واسطے تمہیں
اتنا بڑا اسٹوپہ دکھائی نہیں دیا

کُماچی : احساس شاید اس کا ہی لایا مجھے ادھر

دوسرا پجاری : یہ بات تھی تو مارتیں اس پر نہ چوکڑی
ایسے بغیر حرفِ دعا کے کبھی بھی تُم

کُماچی : پہلے ہی یہ زمین پہ تھا

پہلا پجاری : کچھ بھی ہو عمل
حتماً یہ افتراق و ستیزہ کا ہے

کُماچی : مگر

کھلتا ہے افتراق سے بھی درِ نجات کا

پہلا پجاری : کہتے ہیں ہم بدی جسے

کُماچی وہ خیر بھی تو ہے

پہلا پجاری : دھوکا

کُماچی : نجات ہے

دوسرا پجاری : جسے کہتے ہیں ہم نجات

کُماچی پانی تو مثل پیڑوں کے اس کو نہ دے سکیں

پہلا پجاری : روشن ترین شیشہ

کُماچی تو دیوار پر نہیں

کورس : کچھ بھی جدا نہیں ہے نہیں کچھ بھی دیرپا
انسان اور بُدھ میں نہیں کچھ بھی امتیاز
اک اختلاف ظاہری اک پردۂ فریب
مردانِ بے خرد کی تسلّی کے واسطے
ضامن ہے وہ شروع سے جن کی نجات کا
"کھلتا ہے افتراق سے بھی در نجات کا"
بولی کماچی یوں : تو پجاری یہ کہہ اُٹھے :
باہر ہے اپنے بس سے یہ بوڑھی فقیرنی
اس کا مقام عقل ہماری نہ پا سکے
تب تین بار اُنھوں نے زمیں پر جھکا کے سر
اس کے حضور بھینٹ عقیدت کی پیش کی
تھے وہ پجاری کس قدر الھّڑ غُصیل کیا!
تھے وہ پجاری کس قدر الھّڑ غُصیل کیا!
اصلاح ان کی کس میں ہواؤ کہ کر سکے؟

پہلا پجاری : تم کون ہو بتاؤ ہمیں اپنا نام دو!
ہم رُوح کے لیے تمہاری کریں گے بہم دُعا

کُماچی : تُم کو بتاؤں گی میں خجالت کے باوجود

رسوائیوں کو اپنی کروں گی میں مشتہر
اک خستہ و تباہ کماچی کے واسطے
دیوا کے مالک اونو کے یوشی زنہ کی بنت
کے واسطے دعا کرو اے صاحبانِ دل
وہ ناتواں نزار پراگندہ پا بگِل

دونوں پجاری : یہ سوچنا کہ تم ہو وہ ہے کس قدر حزیں
گلِ پیرہن کماچی جس کا نہ ثانی ہوا کوئی
وہ بہترین پھول چمن زارِ حسن کا
وہ قوس کی طرح تنے ابروئے عنبریں
روئے ملیح جس پہ طلوعِ سحر کا رنگ
سرمایہ دارِ ناز تھی وہ پیکرِ شباب
خوشبوئے دیودار سے مہکے ہوئے اطاق
لائیں کہاں لباسِ مشجّر کی اس کے تاب!

کماچی : لکھتی تھی شعر بھی میں ہماری زبان میں
بلکہ زبانِ غیر میں بھی میں نہ بند تھی

کورس : سرکاتی آگے جامِ ضیافت کو جب کبھی

دامن میں اس کے چاند کے انوارِ منعکس
آرام کرتے سرخوشِ تدبیرِ کامیاب
وہ حُسنِ بے پناہ ہُوا کس طرح تباہ ؟
ناظورۂ جمال میں آیا کب انقلاب ؟
بال اس کے ایک گلجھٹی کہریلی گھاس کی
گردن پہ اس کے کاکلِ شبگوں کے لہریے
ابرو کی دونوں قوسوں کا اندازِ سرکشی
عارض کا رنگ ـــــ خاک میں کس نے ملا دیا ؟

کماچی : سو سال سے بنا ہے فسانہ وہ رنگ رُوپ
اب تو وہ جعدِ غالیہ بُو زلفِ مشکبُو
میلی کچیلی جیسے سمندر کی گھاس ہو !

کورس : تھیلا جو ہے تمہاری کمر پہ ہے اس میں کیا ؟

کماچی : یا آج دن کی موت ہے یا کل کی بھوک ہے
رکھے ہیں میں نے تھیلے میں کچھ لوبیے کے بیج

کورس : ہے پیٹھ پر تمہارے جو گٹھڑی ، ہے اس میں کیا ؟

کماچی : میلا سا اک لباس کہ ہے گرد سے اٹا

کورس : جو ٹوکرا ہے بازوؤں میں اس میں بھر ہے کیا ؟
اک کوٹ پارہ پارہ ؟

کماچی : شکستہ سا ایک ٹوپ

کورس : جس میں وہ اپنا چہرہ بمشکل چھپا سکے

کماچی : پالے کے ساتھ برف کی برکھا کا سوچو تو
دامن کہاں کہ آنسوؤں کو خشک کر سکوں
وہ لوگ جن کی آمد و رفت اس سڑک پہ ہے
ان سے میں بھیک مانگتی پھرتی ہوں جابجا
ناکام ہو یہ حربۂ دریوزگی بھی جب
اک خوفناک مجھ پہ ہو دیوانگی محیط
پہلا سا اب رہا نہ لب و لہجہ بھی مرا
ہے — ڈالو میرے کاسے میں کچھ اے پجاریو !

پہلا پجاری : کیا چاہتی ہو تم ؟

کمُاچی : کہ کمُاچی کے پاس جاؤں

پہلا پجاری : کیا کہہ رہی ہو تمُ ؟ ہو کمُاچی تم آپ ہی

کماچی : میں وہ نہیں نہیں، تھی کمُاچی تو خوبرُو
مجھے نامہ و پیام لگاتا، جس طرح
گرما کے آسمان سے بارش ہو زور کی
لیکن دیا نہ اس بُتِ مغرور نے جواب
حرفِ تہی سے وعدۂ باطل سے بھی کبھی
اس شوخ نے تسلّیِ دل سوختہ نہ کی
اِس فعلِ ناسزا کی بڑھاپا ہے اب سزا
کرتا ہوُں اس سے عشق میں کرتا ہوُں اس سے عشق

پہلا پجاری : اس سے ہے عشق تمُ کو، کمُاچی سے عشق ہے؟
کس کا پریت تم سے یہ سب کہلواتا ہے ؟

کمُاچی : مجھے یوں تو اس کے چاہنے والے بہت مگر
شو شو پر اس کا سب سے بڑا جانثار تھا

کورس : پیچھے کی سمت پہیہ مگر گھومتا ہے پھر
چکر میں ناخوشی کے، میں کرتا ہوں پھر سے زیست
ہر رات جاتے لوٹتے پہیوں کے ساتھ ہی
ہو کر سوار جاؤں میں قصرِ جلیب تک
سورج ۔ گھڑی یہ کونسی ہے ؟
جھٹپٹے کا وقت
مہتاب ہوگا راستے میں ہم نفس مرا
درّے پہ پہرہ دار کھڑے ہیں اگرچہ ، پر
روکیں گے راستہ نہ وہ اس شب نورد کا

کماچی : اٹکا کے اپنے ذیلِ سفید و دراز کو

کورس : اٹکا کے اپنے ذیلِ سفید و دراز کو
لمبے سیاہ ٹوپ کو نیچے کئے ہوئے
سرپوش آستینوں کو اپنی بنا کے میں
خود کو چھپائے راہرووں کی نگاہ سے
ظلمت ہو چاندنی ہو برابر سڑک کا گزر
جب تار و تیرہ رات کو ہوتی ہیں بارشیں
جب رات کی ہوائیں اُڑاتی ہیں مینہ سماں

پتّوں کو، برف کی جمے جب اک دبیز تہ!

کُماچی : سیّال قطرے گرتے ہیں کرڑیوں سے جس گھڑی
جب ایک ایک کر کے

کورس : میں آیا میں پھر گیا
اک رات اور دوسری بعد اس کے تیسری
دسویں جو رات تھی وہ تھی اک رات فصل کی
اس سے مگر نہ میری ملاقات ہو سکی
اس مُرغ کی طرح کہ جو ہر صبح دے اذاں
باقاعدہ، نہ میں نے بھی ناغہ کیا کبھی
کرتا تھا کندہ نقش میں اپنا ستون پر
سو راتیں حاضری مجھے دینی تھی گو مگر
رہتی تھی رات

کماچی آہ یہ دورانِ سر یہ درد!

کورس : سینے میں اس کے درد اُٹھا جو اخیر رات
راہی وفا کا راہیِ ملکِ عدم ہُوا

شوشو تھا جس کا نام وہ ناکامِ عاشقی
عشاقِ نامراد کا سرخیل ، شیر مرد

کماچی : ہوں اس کی ناتمام محبّت کی میں اسیر
ہوگی کبھی فرو بھی یہ آگ انتقام کی ؟
کرتی ہُوں میں دعا کہ ملے مجھ کو زندگی
ان عصر ہائے تازہ میں آئیں گے جو ابھی
میں نیکیوں کی ریت کی ڈھیری بناؤں گی
جس پر کہ اک بلند پہاڑی کا ہو گماں
زرّیں شریف بدھ کے پوتّر حضور میں
نظموں کو اپنے پھُول سمجھ کر چڑھاؤنگی
مجھ کو ملے گا داخلہ اس طرح مارگ میں!
مجھ کو ملے گا داخلہ اس طرح مارگ میں!

○

برگ ریز

○

بہار دُھند کا جامہ پہن کے آتی ہے

نگاہیں دیکھنے والوں کی روکتی ہیں مجھے
ہمیشہ ہر گھڑی اُس سے میں مل نہیں سکتا

ہے نیند کا جو نگہباں، چلا گیا ہے کہاں ؟

ہمارے اشک بنیں مل کے ایک ہی سسکی

شگفتِ غنچۂ گل کے لیے ہے دل بیتاب

وہ جس کو جیت لیا خُفیہ فتح سے میں نے

ہزار سال کی اے کاش زندگی ہوتی !

کلامِ آدمِ خاکی ہے کتنا بے معنی !

مرا خیال تھا کہ میں ایک مردِ پُر دل ہُوں
یہ آنسوؤں سے شرابور ہے مرا دامن

بجائے جورو کے ہے گھاس میری ہم بستر

خزاں کا تحفہ ہیں بے خواب رایگاں راتیں

مری حیات سے بھی تو گراں بہا تر ہے

پرائے چہرے پہ مانوس مسکراہٹ ہے

نہیں ہے غم مجھے اپنے بھُلائے جانے کا

شباب ان کا سدا ان پہ مہرباں نہ رہے

ہر ایک لہر نے پہنا ہے تاج پھولوں کا

میں کاٹتا ہُوں دن اپنے مسافروں کی طرح

نہیں نہیں وہ یہیں ہے گیا نہیں ہے کہیں

بجائے صبح کے خورشید شام کو نکلے

تھکن نگاہوں سے بے کار بحث کی جھلکے

طوائفیں کہ جو عریاں پریڈ کرتی ہیں

بدن سے اپنے بتائے وہ نام گلیوں کے

بدن کو یاد ہیں سب اس کے شہر کی گلیاں

کوئی بتائے خدا را کہ زندگی میری
کہاں پہ ختم کہاں سے شروع ہوتی ہے

ستارے اجنبی لہجوں میں بات کرتے ہیں

سفر پہ نکلے غبارِ بہار میں لپٹے

بغیر چھتری کے بارش کے دن سمندر میں
کسی نے مچھلیوں کو تیرتے نہیں دیکھا؟

ہو جھیل کوئی پہاڑوں کے درمیاں جیسے
رہی ہماری محبّت اسی طرح پنہاں
میں دل ہی دل میں اسے چاہتا رہا چپ چاپ

کہاں سے چرخ کی سرحد شروع ہوتی ہے؟

______ اس طرح لرزے
جہاز جیسے سمندر میں کھائے ہچکولے

غرور مجھ کو بھی تو اپنے مرد ہونے کا ہے

اور اب ابھی اسی دُنیا میں میرے جیتے جی
نہیں ہے کوئی مرے حالِ زار کا پُرساں

بلوئے برقِ فلک رات کے اندھیرے کو

وہ جھرّیاں وہ لکیریں کہاں سے آتی ہیں
گلاب گالوں کو کرتی ہیں جو شکن آلود ؟

کھلیں گلاب کی جھاڑی پہ رنگ رنگ گلاب

ہمارے آنسوؤں سے اُبلے پانی دریا کا

ہے کتنی چھوٹی یہ بے درد گرمیوں کی رات !

نہیں ہے کچھ تمہیں پروا مری محبّت کی

میں اب تمہیں کسی صُورت بُھلا نہیں سکتی

نہ ہونے دوں گی محبّت کی قید سے آزاد

میں پھُول دیکھنے دس بارہ کوس روز چلوں

چلے جہاز سمندر میں چاند کے اُوپر

وہ اجنبی بنے ، تھے جو مرے عزیز ترین

مرے قریبی تھے جتنے وہ مجھ کو چھوڑ گئے

خزاں کے ماہِ منوّر ! نکل نہ آج کی رات

نہ میرے دل کو کبھی ایک پل قرار آیا

اگرچہ ہم ملے ، مل کر بچھڑ گئے لیکن
گزرتی شب کی ٹرینوں کی طرح سے فوراً

ہمارے سایوں سے کرتی ہے چاندنی بخشش

بہار پہنے شلوکا غبارِ شبنم کا

مرے دل میں کوئی نفرت نہیں دُنیا کے خلاف
ہے اگر کوئی سزاوارِ ملامت تو میں آپ

دل ہے صیقل شدہ آئینے کی صورت بے داغ

جا رہا ہوں میں وہاں
کسی پنچھی کا نہ پہنچے پرِ پرواز جہاں
رہ سکے زندہ نہ مچھلی بھی سمندر کی جہاں

کاٹنا سہل نہیں گو شبِ تنہائی کا
مول لوں میں نہ مگر دوسری جورو کا عذاب

قربتِ گُل میں نہ بیکار نہ خاموش رہو

چھاتیاں اس کی پسینے سے بھری
سخت چٹانوں کی طرح

میز پر ہاتھ ٹکا ہے ترا سوسن کی طرح

ہے اسی شہر میں لیکن مری دنیا سے پرے

آخری پتّوں کی رنگت میں ہے انجامِ خزاں

اپنے ماں باپ کی صورت کے لیے میں ترسُوں

مگر انسان قوانینِ جہاں کے آگے
سرِ تسلیم اگر خم نہ کرے
تو کرے کیا آخر
کیا وہ قدرت سے نبرد آرا ہو ؟

مری بیوی ہرے پتّوں کی طرح نازک ہے

کبھی دیکھے نہ سُنے ایسے خطوطِ پستاں

ارضِ جاپان کے اُوپر تارے
تارے — ہیمنت کی راتوں میں جو پھیلیں ہر رات
ایک زنجیرِ گراں کی صورت !

مچھلیاں چاند کے سائے پہ ندیدوں کی طرح مُنہ ماریں

اپنے تاریک خیالوں کے جہنّم میں مقیم
خواہش و خوف کے طوفاں کے طمانچے کھاتا

متعارف ہُوئے ہم ، صرف بچھڑنے کے لیے

پھل لگیں پھُول کھلیں سُوکھے سڑے پیڑوں پر

گریں دونوں کے بہائے ہُوئے آنسو !

جیسے چقماق سے شعلہ نکلے
اور بجھ جائے نکلتے ہی معًا
یونہی دُنیا کی ہے شان وشوکت

چہرہ انجان ، تبسّم مانوس

تمہیں چھوڑوں گی نہ آسانی سے

منتظر رہتی ہوں بے چینی سے
تیرے پیغام کی ہر دن ہر آن

اس کی آوازِ نظر تاب سے وہ زہرہ نگہ
شرم سے سُرخ ہو فرقِ سرتک

جاچکی آہ وہ شبنم کی طرح
شام کے ڈوبتے سُورج کی طرح
ہوگئی آنکھ سے اوجھل افسوس!

میں نے چاہا اسے پتّوں کی طرح
موسمِ گُل کے لپکتے پتّے

ڈالیاں بید کی خم تھیں جن سے

زندگی میری بھی اس پر تعمیر

بے خبر سوتے ہیں یُوں
جس طرح سوئے کوئی وصل کے بعد

ہمیں معلوم ہے کیا کرنا ہے

شاعری لفظوں کی موسیقی ہے

چاند نکلا ہے مگر ہے کسی شے کی کمی

ڈوب تجیہ ہوسفر میں میرا

ہم اک انبوہ ہیں افراد نہیں

باوفا دوست کہاں ملتے ہیں ؟

شبنمِ صبح کو کتنا ہے ثبات ؟
بس یہی کچھ ہے سر و برگِ حیات

چھلکیں آنکھوں سے شرابی آنسو

کر لیا میں نے اسے مفتوح شبخوں مار کر

پانی بہتا ہے مگر جا کر سمندر میں گرے
چاند ڈوبے پر ہمیشہ آسماں ہی میں رہے

مختصر تھی کس قدر اس کی حیاتِ مختصر

اس صنم کو اب دوبارہ دیکھنے کی کوئی بھی صورت نہیں

چرخِ پہناور کو ساری عمر میں تکتی رہوں

رات روشن تھی چٹکتے کھلتے پھولوں کی طرح
اس قدر روشن مری آنکھوں میں آنسو آ گئے

میں نے پُوچھا : کیا نہیں اُمّید ہے ؟
وہ چُپ رہا
دیوتا اور آدمی کی پھر ہنسی ہم نے ہنسی

شاہزادہ چاند کو لے آیا اپنے دام میں

آسمان کیا ہے حریری شامیانہ چاند کا

گرمیوں کی گھاس کی مانند مُرجھایا ہُوا

ہے مرے افکار کی جانے کہاں آرام گاہ ؟

سادہ چیزوں ہی میں ہوتا ہے بس اصلی ذائقہ

اِس قدر لچکیلی، اتنی ناتواں، اتنی اُداسی سے بھری
نو دمیدہ سبز شاخیں بانس کی

طائرِ نا جُفت خُوردہ کی طرح لے سسکیاں

اِک سُلَپ میں ہے وہ اپنی ساری رعنائی کے ساتھ

عُمر کے کہرے سے ہوں کب گیسوئے عنبر سفید ؟

مرنے والی چیزوں سے کتنی محبت ہے مجھے

ایک ہی فریاد تو کافی ہے بخشش کے لیے

کیوں کروں کب تک کروں برداشت ایسی زندگی ؟

زندگی میں موت — وہ دن جو نہیں — جو جا چکے

ہم بھی بُدھ بن جائیں گے فرجامِ کار

ہے تو گھر پیارا مگر گھر گھر نہیں

ایک عورت کے بدن کے پیچ و خم
اُلجھے ، لہراتے ، اُبھرتے دمبدم

کیا ہے بندھن یہ ہمارے درمیاں ؟

اب تمہارے پاس کچھ باقی نہیں
مجھ سے کہنے کے لیے ؟

وقت کے آگے ہیں بے بس کس قدر

اپنی دُھن میں مست ، سرپٹ ، بے مہار
کچھ نہیں اس پر کسی کا اختیار

رہ رہے ہو کیا اسی دنیا میں تمُ ؟

سب غموں پر مستزاد
یہ نیا غم عشق کا

عشق میرا مر کے پھر ہوتا ہے زندہ

دُور تر ہو سدا حسین ترین

اپنے دل کو فضول خرچ کروں

مرے دل کو کبھی نہ چین آیا

سر ہلا کر خوش آمدید کہے

فصل خاموش آنکھ کی کاٹیں

دُکھ کے پنچھی ہوا میں اُڑتے ہیں

کر لیے قطع میں نے ہاتھ اپنے

دیکھ کر مجھ کو مسکراتی ہے

مترادف ہے آرزو کا عمل

جس کا ہر دم ہے انتظار مجھے
وہ تو سپنے میں بھی نہیں آتی

آج کی رات کے سوا ہم نے
کونسی رات عشق کی دیکھی ؟

اپنی پرچھائیں سے میں بحث کریں

برف کے پھول جھڑ کے گرتے ہیں

پیارے کا سایا (پناہ دے مجھ کو

نیند میری کدھر کو بہتی ہے ؟

بادِ شب میں ہے نکہتِ فردوس

ہ چھاتا

نیم خوابی کا نیم بیداری
کا یہ عالم ہے کس قدر دلکش !
یہ ہے وہ وقت جو کہ ہے لا وقت

میں نہ بھولوں گی عمر بھر لیکن
تم مجھے ایک دن بھلا دو گے

جانے دوں گی مگر نہ میں تم کو
جانا چاہو تو جانے سے پہلے
اپنے ہاتھوں مرا گلا گھونٹو

سایہ کیسا ہے یہ چمک کیسی ؟
مثل سوئی کے جو اذیت دِہ
پام کے پیڑ کی طرح تنہا
ایک بد رُوح کی طرح لرزاں

مور کی طرح رنگ جنگل کا

چاند کو کیوں میں کھا نہیں سکتا ؟

زندہ رہنے کا فائدہ کیا ہے ؟

اہلِ عالم کا جو بھی عالم ہو
غنچے لیکن چٹکتے رہتے ہیں

اب نہ خوابوں میں بھی اس سے مل سکوں

چاند کے گھٹنے سے ہوگا بڑھ کے کیا
زندگی کی بے ثباتی کا ثبوت ؟

پھول بن سے لا رہا ہے پھول کون ؟

زندگی ہے ایک خوابِ پُر فریب

چھڑکیں آ لے زخم پر کر طوا نمک

گو ہوئیں اِس واقعے کو مُدّتیں
یوں لگے جیسے کہ کل کی بات ہے

کہرباگوں یہ خاکداں غم ہے
متلوّن مزاج و پُرپندار

کاشکے یہ خبر غلط ہوتی

سُست پا شبنمِ خزاں کی طرح
میری آنکھوں میں جمع ہیں آنسو

مت نکل آج اے خزاں کے چاند!

میرے دل میں ہے اک عجیب سکوں

چاند اور ایک رات پت جھڑ کی
یاد آئیں کہانیاں دل کو

اُف وہ پت جھڑ کی ریشمی راتیں

ایک شامِ بہار کا لمحہ
اور سونے کے اک ہزار ڈلے
تولو دونوں کو تو مساوی ہیں°

° ایک چینی کہاوت

اپنے پھُولوں کے ساتھ آئے بہار

مجھے خود سے سوال کرنے دو

نیند سے کر دیئے گئے خارج
شجر آسا کھڑے کھڑے سوئے

دھبّہ دھبّہ لُٹی پُٹی سی شام
ہے گواہ آنکھ اس تباہی کی

لہر کا انتظار کرتے ہیں

میں اسے کیسے بھول سکتی ہُوں ؟

پھر نیا روگ لگ گیا مجھ کو
آہیں بھرتا ہوں میں تمہارے لیے

کائی کی طرح پھُولتا بڑھتا

پہ پرندے کے میرے پاس نہیں

خواب کا خواب کتنا غمگیں ہے !

بے سبب دل مرا سلگتا ہے !

ہم ہیں پابندہ مر نہیں سکتے

چین لکھتے ہیں رُبعِ مسکوں میں

چاندنی ہے رفیقِ تنہائی

اتنی جلدی بدل گئے کیسے ؟

چاند ہے یا کہ اک سفید کماں
آسماں کے کبود میداں میں ؟

دل مرا آگ میں جل رہا ہے

محبت نہ کرنے کا میں نے کیا فیصلہ

چاند اندر گیا ہم نکل آئے باہر

لوگ مصروف گلیوں میں ندّی سماں چل رہے ہیں

خزاں کی ہوا کے سوا گھر میں کوئی نہیں

کہاں سے کہاں تک
گزرتا ہے اک راستہ ظلمتِ درد کو چیرتا

میں اندھیرے کے بارے میں سب جانتا ہوں
اسی واسطے میرا ایمان ہے
روشنی آ رہی ہے
ہوا کانپتی ہے

تیری سچّی محبّت کا ہو علم کیسے مجھے ؟
کیا کسی اور سے ؟

ہماری طرح ایک انساں، تھا بدھ بھی کبھی

پیو اوک سے
چشمۂ کوہ سے

ہے اندوہگیں زندگی کا درخت

دو جڑواں پرندے ہے پر جن کا سانجھا
دو جڑواں درخت ایک ہے جن کا ٹھنا

ہمیں علم ہے لوگ کیا چاہتے ہیں

میری آہوں کی ساحل کی لہروں میں ہے بازگشت

خزاں کی ہوا جا کے اس کو بتا
کہ مرد اس کا تنہا تھا کل رات اور
اسے رات بھر یاد کرتا رہا

اس نے جن عورتوں کو کیا پینٹ سب جیتی ہیں

اب زمیں پر نہ بارانِ آتش ہو (یارب) کبھی!

وہ ہنستی ہے شرمندگی کی ہنسی

اُترتا ہُوں تابوت میں روز غیروں کے ساتھ

مضطرب، خالی الذہن، لولین، مستغرق آنکھیں
پڑیں تم پہ جب تم چلو

سرابوں کی صورت
نمودار و غایب ہوں اُمّیدیں نومیدیاں

حسرتیں پھنس گیئں یوں ہمارے گلوں میں
کہ ابکائی آنے لگی

دمِ گفتگو اپنے دامن سے وہ پونچھتی ہے
گلوگیر اشکوں کو اپنے

کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے لگتا ہے ڈر

ھا لبرڑ کی میں خوشبوئے ناکِ شبِ ماہِ نو

ملبوس بادلوں کا کھلے پھُول کی طرح

تیریں بنا لباس سمندر میں مچھلیاں

ہو ایک ہی پدم پہ ہمارا پُنر جنم !

اے کاش رات آج کی ہوتی طویل تر !

رہتا ہمیشہ کاش زمانہ شباب کا !

اس کو یقیں ہے اپنی ہتھیلی سے گر چھُوٹے
عورت کو وہ تو پک کے معًا گر پڑے گی وہ

چلتی ہُوئی ہوا نظر آتی نہیں کبھی
بہتی ہے جو ندی وہ کبھی لوٹتی نہیں

جھینگر بجا رہا ہے گجر، رات ہو گئی

سُورج بجائے صبح نکلتا ہے شام کو

بُحران میرا حصّہ ہے عصّہ ہے خوف بھی

ختمِ خزاں ہے آخری پتّوں کے رنگ ہیں

کیا آئے گی دوبارہ وہ ہم بستری کی رات ؟

کہتے ہیں مرد سچ ہمیں : کمزور عورتیں !

جہاں سے تھک چکا ہوں تنگ ہُوں اہلِ جہاں سے
یہ دُنیا تنگ ہے ناآشنا ہے بے وفا ہے
——— مگر خوش ہے

پہاڑی ندی ہی قلقل کرے تنہا

ہوائے بیدِ مجنوں ہی ربابِ خامشی کو چھیڑے تنہا

خبر تم کو نہیں شاید خزاں آبھی چکی ہے

ہے ملنا کتنا مشکل دل کے سچّے دوستوں کا

باس زلفوں میں اس کی پکے گیہوں کی

میرے کولہوں میں تکلیف ہے
درد کرتے ہیں کندھے مرے
اپنی ٹانگوں کو آرام دوں میں کہاں ؟

خزاں کی ہوا مجھ کو پہچانتی ہے

درختوں کے سائے سے آئے صدا بانسری کی

وہ بانسری ابھی جو بجائی نہیں گئی
کانوں میں گونجتا ہے مرے اس کا زیر و بم

آغاز ہوتے آنسوؤں کو روکوں کس طرح ؟

کبھی تم اکثر آتے تھے اور اب بالکل نہیں آتے

میرے ساتھی پرندے اور بادل

ہمارے درمیاں پیماں یہ کیا ہے ؟

ہماری رُوحیں آپس میں ہیں پیوند

نہ کھاؤ رشک اس پر جو کہ بالاتر ہو تم سے
فرو تر ہو جو تم سے اس کو نفرت سے نہ دیکھو

وہ سوئیں باہیں باہوں میں پھنسا کر

لبوں پر ایک ہلکا سا تبسّم ہے مگر چُپ ہے

ستارے اونگھتے ہیں حاملہ غم سے

سفر ہے آخرت کا صرف جانے کا اکیلے
نہیں دیکھا کسی کو لوٹتے اس رہگذر سے

نہیں تھے عاشق و معشوق لیکن عشق کرتے تھے
ابھی کل تک وہ دونوں اجنبی تھے بالکل آپس میں
کیا یکجاں انہیں اک اتّفاقی ہمکناری نے
وہ لڑکی ایک بچّے کی طرح سے مسکراتی ہے
ہے سینے کے کہستانوں میں مدّ و جزر کا عالم !

سفر راہِ عدم کا ہے فقط جانے کا آنے کا نہیں ہے

میں جس موتی پہ مرتا ہُوں اسے اپنا نہیں سکتا

بھرا چہرہ تھا اُس الّھڑ کا پُورے چاند جیسا

میں اس دنیاوی دُنیا میں ہوں بالکل ہی اکیلا

قدامت کی طرح ضدّی

یتیموں کی طرح فریاد کی ہم نے

نظر آتی ہے مجھ کو چاندنی دن میں

میں پیتا ہُوں مگر پیاسا ہُوں پھر بھی

مجھے بس چند سادہ لفظ آتے ہیں
مگر یہ لفظ نوریں ہیں

نکالیں خوبصورت عورتوں میں بیویاں
اُنھو نے کیڑے

وہ ننھّی لڑکی اپنے باپ کی شفقت سے محروم

ہے پہنائی زمین و آسماں کی تنگ مجھ پر

سکڑ کر ہو گئی ہے تنگ مجھ پر
فراخی اس زمین و آسماں کی

ہمیشہ مختصر ہوتی ہیں راتیں گرمیوں کی
محبّت کی طرح سے

جو پچھلے سال آئی تھیں وہی ہیں یہ ابابیلیں ؟
خبر اس کی کسی کو بھی نہیں پھر بھی
وہ آتی ہیں برابر برّ اعظم سے سمندر سے

بہت بہتر بھی ہو سکتا ہے اس سے چیز ہو کوئی
مگر جس حال میں بھی ہوں میں جیسا بھی ہوں اچھا ہوں

مرے دل میں ہیں پیمانِ محبّت کی جڑیں گہری

بتوں کو پُوجتے ہو مجُھ کو پُوجو !

سحر پھوٹی
ابھی تک ابر اپنے نائٹ گونوں ہی میں پھرتے ہیں

ہوا سیٹی بجائے آسماں میں

محبّت کرتے ہو تم اب بھی مجھ سے ؟

مئی کی مکھّیوں کی طرح پُرشور

چھُوئے اک گرم ٹخنہ دوسرے کو !

ترے وصال کا معاوضہ
ہو موت بھی تو کیا زیادہ ہے ؟

براہِ راست دیکھنا ہے دیکھنا
ٹھٹھک کے سوچنے لگے جہاں
وہیں بھٹک گئے !

دل اپنا میں نے خرچ کیا
اس چاند کے طلعت پہ
جو پت جھڑ کے ایک پیڑ کی شاخوں میں
اُلجھا، پھسلا، رُوپوش ہُوا !

جیون اک جھُوٹا سُپنا ہے
جو پھینک دے اس سنسار کو ایک طرف
بس ایک وہی جاگے

پیچھے مت دیکھو
پیچھے مت دیکھو
جب بے انت محبّت سے
میں بھر جاؤں تو مجھ کو
خُدا حافظ کہنے دو
(کیونکہ ہم دونوں مخالف سمتوں کے ہیں رہرو)

کیوں غم سے بھرے رہتے ہیں ہمیشہ طور طریقے دُنیا کے ؟

ویران قلعے کا نگہباں چاند آدھی رات کا

ریشم کا بالاپوش جو ڈھانپے پہاڑوں کو
وہ پچھلے دھوپ میں

ہے ہچکیاں کوئی بغیر آواز کے

وہ بیدِ مجنوں ! وہ بیدِ مجنوں !
تنہا اکیلی خزاں گزیدہ
سرگوشیاں کرتی ، سانس لیتی !

لیٹا ہُوا ہُوں ننگی زمیں پر تنکے بچھا کر

انسانی گفتگو ہر مفہوم سے ہے خالی
آتا ہے رشک مجھ کو تاروں کی گفتگو پر
جن کا سکوت بھی ہے مثلِ شرر منوّر

ہر دم وسیع ہوتا یہ وقت کا خرابہ
کھینچے خطِ جدائی دو چاہتے دلوں میں

اک آدمی کا دل بھی کیا بے وقوف شے ہے

سارس پکارتے ہیں اک دردناک لے میں

فریاد کریں سارس اک درد بھری لے میں

شام کے ستارے کی طرح جابجا بھٹکے

سوچتا ہوا پتھّر بولنے کا خواہاں ہے

شہر کی طرف جاؤں زندہ دفن ہونے کو

اس بات کو سوچتے ڈرتا ہوں
اس بات کو کہتے ڈرتا ہوں

تم کروگے مگر کوشش مجھ سے پیچھا چھڑانے کی

گھٹتا ہے دل میرا آنسو اُبلتے ہیں
ہے مجھ کو یہ خوش فہمی کہ میں اب بھی زندہ ہُوں

نہیں سمندر میں جل پری کوئی ہیں صرف لہریں

آلوچوں میں ہے خوشبو محبوبِ منتظر کی

ہوں غمزدہ لیکن مجھے درماں نہیں معلوم

میں بھُول چکا یہ بھی کہ میں بھُول چکا ہُوں

اپنا سرِ دامن میں اشکوں سے بھگوتا ہُوں
خود کو جو سمجھتا تھا اک مرد قوی دل کا

چلتی ہیں ہر اک سمت محبّت کی ہوائیں

اس پیڑ کو دیکھو، سنو اس پتھر کو!

دیتی ہے غذا جو مرے دل کو وہ بہار

ہیں دُور بہت دُور کہیں پر جھینگر

معصوم ہے وہ اس کو نہ دھوکا دینا

دل خوش کُن ہے سالگرہ کے آنسو رونا

ہر شور کے ہمراہ رہے خاموشی

ہم سوئے ہیں ایکجا بہت کم راتیں

بالوں پہ جما ہے سال و مہ کا کہُرا

لگتا ہے مجھے کہ جیسے میں زندہ نہیں
کیا کرتے ہو تم اب بھی محبّت مجھ سے ؟

پھیلائے ہر کوئی اپنی افواہ

طُوفانِ حیات سے سلامت گذرے !

ہر چیز فنا پذیر ہے جو ہے کتنی وہ عزیز مجھ کو

دشمن کی بھی جو فلاح چاہے

کیا دوبارہ ملیں گے ہم تُم ؟

آگئی پیرانہ سالی بے خبری میں

خواب خوشی کا بذاتِ خود غم ہے

وادی میں ندّی ، پتھّر بھی گائیں

کم راتیں ہم اکٹھّے سوئے

خیال اس کا آتا ہے
تو دل درد کرتا ہے

خصیّ سایہ
ہم نے دو ٹانگوں پر جس دن سے چلنا بندکیا

جُوکی چی یاگی
JUKICHI YAGI

(۱۸۹۸ - ۱۹۲۷)

آبائی قصبہ

ایسے دن جب دل مرا تاریک ہے
قصبہ آبائی مرا جو دُور ہے
ہے کسی تہوار کے دن کی طرح
مُستنیر و ضوفشاں !

غلطی

تھی یہ میری غلطی
تھی یہ میری غلطی
گھاس کے تختے پہ بیٹھے
مجھے معلوم ہے اب !

میرے گھر کے دریا!

میرے گھر کے دریا!
میرے گھر کے دریا!
وہی نغمۂ سرخوش و دل نشیں ہے تمہارا ابھی تک ؟

اسی طرح اب بھی
تمہاری کف آلود لہریں مری ماں کے اسپید پیروں
کا لیتی ہیں بوسہ ؟
طواف ان کا کرتی ہیں ویسے ہی اب بھی ؟

شیگے جی تسُوبوئی

SHIGEJI TSUBOI

(پ ۱۸۸۹)

آسمان

ایک دن میں نے گذارا
آسماں کو دیکھتے
آسماں میں کچھ نہ تھا
جُز آسماں

ہوا

مرے دل سے گزرتی ہے ہوا مثل اک خزانے کے
ہوا اک پھُول کی خوشبو سے میرے دل کو مہکائے
پھسل کر میرے ہاتھوں سے ہوا اک دُور کے آکاش
کو لپکے
ہوا جب نیلگوں انبر کی نیلاہٹ میں گھُل جائے
تو تب بھی میرے دل میں اک ہوا سی سنسناتی ہے

ہوا — موجِ ہوا
یہ کس دِشا کی ہے ؟
اسے کیا نام دیتے ہیں ؟

ایک کنکر

اک رہگذر پر چلوں
کنکر کو ٹھوکر مارتا
اک ابر آگیں سہ پہر
ٹھنڈی ہوا
اک رہگذر پر میں چلوں
کنکر کو ٹھوکر مارتا
کنکر مری ٹھوکر سے کھائے
لڑھکنی پر لڑھکنی
بیدار ہوگا کب تو اے کنکر بتا ؟

اک بھک منگا

اک بھک منگا ہے
زد میں ہوا کی
اس کو اُٹھا کر

پھنکیں لگی ہیں
لہریں ہوا کی
اس بھک منگے کے
ننگے بدن پر
کھونے کو کیا ہے ؟
نہ فکرِ کالا
نہ خوفِ رہزن !
ہے عین ممکن
یخ چال کی سی
جاڑے کی اک شب
دل میں ترے بھی
اک تارہ ٹوٹے
آنسو کا قطرہ

ہرگز نہ لیکن
اُس کو بنانا
بلکہ بنانا
غصّے کی اینٹھن !
آنکھوں کی سوزش
باطن کی کھولن !

بہار

ہر روش رنگ رنگ پھول کھلے
غنچہ آسا مگر لب ان کے سلے
بھنبھناتی ہیں مکھّیاں ، کیڑے
سر سے پا تک بھرے زرِ گُل سے
میں کسی کے خیال میں گُم ہوں
(کہو خوشبو سے مت مجھے چھیڑے!)

چڑھتے سُورج کی سرزمین میں — جس پر اس لاادریت و ارضیت کے دور میں بھی — سُورج کا بیٹا حکمرانی کرتا ہے — اس وقت کوئی تین ہزار کے قریب شاعر ہیں — اور لگ بھگ ایک ہزار شاعری کے ماہنامے نکلتے ہیں

— ہم اہلِ اُردو تو ناحق بدنام ہیں —

جاپانی شاعری کی نزاکت نہ معلوم کس حد تک اُردو میں ڈھل سکی ہے اور اس کی رُوح کہاں تک ریختہ کے پیکر میں آسکی ہے!

میں نے اپنی طرف سے کوشش تو کی ہے کہ اس مزدِمحبت میں کم کوشی کا طعنہ نہ سُننا پڑے —

مگر پھر بھی

ع ناتمامی نصیبِ آدم ہے

خالد

لاہور — ۱۴ اگست ۱۹۷۷ء

تخلیقاتِ خالد

۱ - فارقلیط
۲ - منحمنا
۳ - حمطایا
۴ - ماذماذ
۵ - برگِ خزاں
۶ - دُکان شیشہ گر
۷ - ورقِ ناخواندہ
۸ - سلومی
۹ - کلکِ موج
۱۰ - دشتِ شام
۱۱ - کفِ دریا
۱۲ - غزل الغزلات
۱۳ - سرودِ رفتہ
۱۴ - گلِ نغمہ
۱۵ - حدیثِ خواب
۱۶ - خروشِ خم
۱۷ - لحنِ صریر
۱۸ - زنجیرِ رمِ آہو
۱۹ - مزمورِ میرِ مغنی
۲۰ - پروازِ عقاب
۲۱ - اقبال و عطیہ
۲۲ - غبارِ شبنم
۲۳ - بادِ شمال
۲۴ - خمیازۂ ساحل
۲۵ - دانہ ہائے ریختہ
۲۶ - زیرِ داغِ دل
۲۷ - ماتمِ یک شہرِ آرزو
۲۸ - متاعِ بُردہ
۲۹ - ہللویاہ
۳۰ - صریرِ قلم
۳۱ - دانہ ہائے ریختہ

[م جو رل]

صحّت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۰	۴	سازشیں تم	ساز باز
۲۴	۶	دم	دم تم
۲۹	آخری	کیونکہ	کہ
۳۵	آخری	اتّفاقاً	کیا یہ عمداً
۳۶	۱	اور کسی	کسی بھی
"	۱۲	مری	مرے
۳۹	۱۳	نیند	خوابِ شیریں
۴۳	۱	اک	ایک
"	۹	یوں پڑھیں	اڑ گیا، کیا ہے یہی طرزِ جہاں ؟ یہی اندازِ حیاتِ گزراں ؟
۴۶	۲	جو کہ	وہ جو
"	۷	یوں پڑھیں	ہمیں علم ہو سکتا اے کاش کب تک جئیں گے ؟
۴۹	۷	یوں پڑھیں	موئے ریش اسکے سفید، اشکوں سے تر کرکے انہیں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۴	۹،۸	یوں پڑھیں	کھلا چھوڑ کر اپنے دروازے انتظار اس صنم کا کروں گا
۶۱	۷	اور	اور ادھر گھر پہ
۷۱	دوسرا نظم پارہ یوں پڑھیں : پہاڑی دیہہ ہیں میرے ہے سرا بیشتر سنسان و ویراں کیونکہ ہوں اس میں گیاہ و آدمی دونوں ہی پژمردہ		
۷۴	۷	چوٹی	چوٹیوں
۸۰	۴	یحمک	چمک
۸۲	۳	یوں پڑھیں	تھا فقط فجر دم کا چاند
	دوسرا نظم پارہ ص ۱۰۱ پر جائے گا		
۸۴	۶	افسوس	وا دردا
۸۸	آخری	یہ	ہاں یہ
۹۰	۹	یوں پڑھیں	ہو چکی ہو گی وہ افسو کبھی کی بوڑھی
۹۴	آخر سے دوسری	ہو	ہوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٩٧	٧	کہ بوڑھا	پرانا
٩٨	١	کا	کا تو
〃	آخر سے دوسری	مری	×
٩٩	١١	آج	×
١٠١	٣	لیکن وہ کس	مطلق وہ کسی
١٠٥	٧	یوں پڑھیں	آرجا ران کی یونہی شور بھری
١١٠	٢	خزاں	خزاں سنے
١١٧	٢	یوں پڑھیں	اب کبھی اس طرف نہیں آتا
〃	٤	اب کبھی	کبھی وہ
١٢٣	آخری	یوں پڑھیں	وہ دلِ انسان کے گل بوٹوں کا ہے
١٢	٩	پر مت	پہ نہ
١٣	٢	یوں پڑھیں	فرقت میں تیری
١٣	١٠	گہری ہے	گہری
١٤	٨	ایک ایک	ایک اک
١٥	٣	پتّڑ	پتڑ
١٧	آخری	کے	کر
١٧	٦	ناب	تاب
	آخری	تارا	تارا معاً
١	٧	بتاتے	بناتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١٨٦	٢،٣	چاہیں	چاہییں
〃	٥	خوشبو	خوشو
١٨٩	٥	کرتا	کرتا ہوا
١٩١	٧	ہیں یے	اور بے
١٩٦	٧	بھاپ کی صورت	دھواں بن کر
٢٠٥	آخر سے دوسری	ہے	اور
٢٠٦	٥	مجھے	×
〃	٨	بانگ درا	گلبانگِ رخصت
〃	١١	ہمارا یہ کام پر	مشن یہ ہمارا اگر
〃	١٣	کمبل لیے	ہم کمبلوں میں
٢٢٠	٥	بیوی	بیوی مری
٢٢٤	١١	پہلے اگر	اگر پہلے
٢٢٥	٩	خاموشی	خامشی
٢٢٦	٢	یوں پڑھیں	یہ زمیں اک پتنگ کی مانند
٢٣٧	٧	آہ	حیف
٢٤٨	پہلا ہائیکو	—	×
٢٥١	دوسرا ہائیکو	—	×
٢٥٢	٥	یوں پڑھیں	پھر مرے مزار پر دینا
٢٥٧	آخر سے دوسری	لوگ	سب
〃	آخری	اوہ پر	اف مگر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۶۳	۱	اسے	اے
〃	۵	سارے مل کے کھیلو	کھیلو سارے مل کر
۲۶۶	۱	جیسے	جسے
〃	۵	یوں پڑھیں	شرافت بھرا، پرسکوں تابناک
۲۷۲	۱۱	نہیں کوئی گور پر	گور پر کوئی نہیں
۲۷۳	آخری	یوں پڑھیں	کے سایاں کے نیچے
۲۸۲	۴	ابھی بھی	ہنوز
۲۹۲	دوسرا ہائیکو		آبگیرِ کہنہ وجستِ وزغ، آوازِ آب
۲۹۶	تیسرا ہائیکو	—	×
۲۹۸	۳	ہے جو	جو کہ ہے
۲۹۹	آخری	و	×
۳۰۵	۱۵	مہینہ	ارغواں مہینہ
۳۰۹	۳	رات	رات، اور
۳۲۱	۱	کھاتا	کھانا کھاتا
〃	تیسرا ہائیکو	—	×
۳۲۳	۹	یوں پڑھیں	آوازیں آسیبوں کی آئیں پے بہ پے
۳۲۵	۱	وہ	اوہ
۳۲۶	۳	میں ہی	ہی میں
〃	۹	آوازوں	آواز

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳۳	۵	یوں پڑھیں	ہے تو موجود لیکن
۳۴۱	۲	یوں پڑھیں	مسوڑے دیکھو بچّے کے ہیں کتنے خوشنما
۳۴۳	۴	س	اس
〃	۵	یوں پڑھیں	گرمی انہیں لینے دے مگر چین کہاں
۳۴۵	آخری ہائیکو	—	×
۳۵۲	آخری دونوں سطریں اوپر نیچے آئیں گی		
۳۶۰	۳	وہ	×
۳۶۳	۶	تھرتھ	تھرتھرا
۳۶۵	۸	ہوا	بہ ہوا
۳۷۳	آخری	ہی کو	کو ہی
۳۷۵	۲	اک	×
۳۷۹	۱	یوں پڑھیں	کیا ابھی تک رُک رہا ہے
۳۹۹	پہلی دونوں سطریں اوپر نیچے آئیں گی۔		
۴۰۰	۷	پارینہ	بہ پارینہ
۴۱۱	۴	ان	×
	۳	راہ	رہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۱۷	۷	اب	اب تو	۴۶۴	۴	اپنی	اپنے
۴۲۱	۳	گرہ	جو	۴۸۱	۱۱	دینی	دینا
۴۲۴	۳	آئیں	آئی ہوں	۴۹۲	۳	گریں	یکجا گریں
۴۳۶	۳	اے	اور اے	۴۹۴	۹	یوں پڑھیں	ڈوب کر بھی جا
۴۴۱	۱۰	نہ سوچے بس	نہ بس سوچے				حدِّ آسماں ہی م
۴۴۴	۵	پر	پہ	۴۹۹	۶	ہیں	ہم
۴۵۳	۲	یوں پڑھیں	اس کو بھی ڈال جو	۵۰۷	آخری	لڑکی	ہے لڑکی
			توڑے اس کی	۵۲۴	۴	چلوں	ہیں چلوں
۴۵۹	آخری	خلاصی	کیا خلاصی	۵۲۸	—	خمیازۂ ساحل	سرابِ ساحل
۴۶۲	دوسرا ہائیکو	—	×	″	—	آخری نام مکرّر	×